ابوالمظفر محی الدین

ابوالمظفر محی الدین

2823

اورنگ زیب

عالمگیر بہادر بادشاہ غازی کے حالات اور اُس کے عہد کے واقعات

از

مولوی احمد الدین صاحب بی اے پلیڈر لاہور

مؤلف صاحب کی اجازت سے

دوسری مرتبہ ۱۹۰۵ء میں

کارخانہ پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں منشی محمد عبد العزیز مینیجر

کے اہتمام سے چھپی

قیمت عـــہ/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ نسلوں نے ہند کے فرمانروایانِ اسلام کی تاریخ عموماً انگریزی لباس میں دیکھی ہے لیکن چونکہ یہ لباس پہنانے والے اسلامی تاریخ سے پوری واقفیت اور ہمدردی نہ رکھتے تھے اُنھوں نے بے سوچے سمجھے اپنی قطع وضع کا لباس کاٹ کر اُس پر مڑھ تو دیا۔ مگر بجائے اسکے کہ وہ اس لباس میں اپنے اصلی دلکش روپ میں نظر آوے اِن نئے فیشن ڈیسیونکی طرح جنکے بدن پر انگریزی لباس موزون نہیں ہوتا ایسی بھونڈی اور کریہ المنظر ہو گئی ہے کہ اسکے مشتاق جنھوں نے اسے اسی شکل میں دیکھا ہے اس سے سخت بیزار ہیں۔

مسلمان فرمانروایانِ ہند میں خصوصاً ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہِ غازی کے حالات اور اس کے زمانہ کے واقعات کے لباس نے کم مایہ اور متعصب شخصوں کے ہاتھوں قطع و برید کے ایسے صدمات اٹھائے ہیں کہ باوجودیکہ اس نیک نہاد بادشاہ کی انصاف پسندی۔ رعایا پروری۔ نیکوکاری۔ اور پارسائی کے کل مورخین ایشیا ازبس مداح اور وصاف ہیں۔ آج کل وہی سب سے زیادہ انگشت نما ہو رہا ہے +

جن لوگوں نے اس بادشاہ کے واقعات کو اصل لباس فارسی میں دیکھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں جو تاریخیں انگریزی اور اردو میں رائج ہیں ان میں واقعات کو کسطرح پس و پیش اور کم و بیش کیا ہوا ہے اور صورتِ واقعات میں کسطرح رنگ آمیزیاں

کس قدر مسخ کر دی گئی ہے +

اس کار پردازی کے بانی مبانی خصوصًا سیاحانِ یورپ ہیں جو وقتًا فوقتًا چند روز کے لیئے سیر کے طور پر اس ملک میں آئے۔ اور جنہوں نے اِدھر اُدھر کی سنی سنائی گپوں کو جمع کر کے اپنی شہرت اور لوگوں کی دل لگی کے لیئے سفرناموں، خطوں اور رسالوں کی صورت میں دور و نزدیک مشہور کر دیا۔ ان لوگوں کو ملک اور سلطنت کے اصلی حالات دریافت کرنے میں بباعثِ ناواقفیتِ زبان۔ اجنبیتِ شخصی۔ اور عدم وسائل جو ناکامیابیاں ہونی چاہیئے تھیں اور ہوئیں وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اب تو خود اہلِ یورپ ہی ان سیاحوں کی تحریرات کو گپ بازی سمجھنے لگ پڑے ہیں۔ جیسا کہ برنیر کی کتاب کے دیباچہ میں آگے اڈیٹر نے لکھا ہے۔

یورپین صاحبان کو واقعاتِ ہند معلوم کرنے میں جو دقتیں پیش آتی ہیں۔ اور ان کے سبب جو غلطیاں ان سے ہو جاتی ہیں بعض اوقات ہنسی دلانے والی ہوتی ہیں۔

ایک انگریزی کتاب میں جو ۱۸۱۴ء کے قریب کی لکھی ہوئی ہے اور جسکی بڑی خوبی اس کے مصنف کی رائے میں اس کا معتبر ہونا ہی ہے۔ ہمایوں بادشاہ کی نسبت درج ہے۔

"چونکہ ہمایوں تیمور شاہ (گورنر قندھار) کے بیٹوں میں سے سب سے بڑا تھا انگریزی خیال کے مطابق اسے تخت نشین ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اس زمانہ میں ہندوستان کے ملک میں بڑے بیٹے کے حقوق امورِ وراثت میں مرجح نہ تھے۔ بلکہ عمومًا شاہِ حکمران اپنا جانشین مقرر کرتا تھا۔ تیمور شاہ کے سارے بیٹے ایک ہی زوجہ سے تھے۔ اسکی چاہتی بیوی نے جو بڑی چالاک عورت تھی اپنے بیٹے شاہ زمان کو تخت پر بٹھا دیا اور اُسنے ٹیپو سلطان سے سازش کر کے ہند کے مقبوضہ انگریزی پر حملہ کیا۔ ہمایوں نے بھائی کے خلاف بغاوت کی۔ ہمایوں گرفتار ہوا اور اسکی آنکھیں نکلوا دی گئیں۔ باقی عمر ہمایوں نے قید میں گذاری اور جب مر گیا تو یہاں (دہلی) میں مقبرہ ہمایوں کے اندر اس کے بیٹے اکبر نے اُسے دفن کیا اور یہ مقبرہ اپنے خرچ سے بنا دیا"!!!

اسی کتاب میں روضۂ ممتاز محل کی تعمیر کا سال ۱۶۳۱ء دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اسی سال میں شاہجہان تخت نشین ہوا تھا!! شاہجہان نے ۱۶۶۲ء میں وفات پائی تھی

ان سیاحوں میں سے برنیر بلاشبہ سب سے زیادہ اعتبار کے لائق ہے۔ مگر اُسنے بھی اور تو اور تاریخی واقعات ہی کے بیان کرنے میں بہت صریح غلطیاں کی ہیں جنکی کچھ کیفیت خلیفہ سید محمد حسین صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ کے حاشیوں سے جو انہوں نے برنیر کی کتاب کے ترجمہ پر جا بجا چڑہائے ہیں معلوم ہوسکتی ہے
جو لوگ تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں بخوبی جانتے ہیں کہ ترکان روم کو عثمان لو یا عثمانلی صرف اسوجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس سلطنت کا فرمانروا خاندان سلطان عثمان خان کی اولاد سے ہے جو سنہ ۶۹۹ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ لیکن ہمارے برنیر صاحب فرماتے ہیں کہ "چونکہ یہ لوگ پیروان عثمان ہیں۔ اور عثمان غنی کو سچا اور اصلی قائم مقام اور خلیفہ اپنے پیمبر کا سمجھتے ہیں" اس واسطے ان کا نام عثمانلی پڑ گیا ہے۔

ایک اور جگہ برنیر لکھتا ہے کہ "دارا کی بیگم نے پہلے ہی یہ سوچ کر کہ ہم پر کیسی آفتیں پڑنیوالی ہیں راستہ ہی میں بمقام لاہور اپنی زندگی کا خاتمہ زہر سے کر دیا تھا" حالانکہ دارا کی بیگم مقام دادر کے قریب (جو جیکب آباد سندھ کی چھاؤنی سے پرے مقام سبی کے نزدیک درۂ بولان کے رستہ پر واقع ہے) سل کی بیماری سے مری تھی اور اسکی نعش وہاں سے دارا نے لاہور میں دفن کے لئے بھیجی تھی۔

اس میں کلام نہیں ہوسکتا کہ مغلوں کے عہد میں جو سیاح غیر ممالک سے یہاں آتے تھے اور جنہوں نے انکے کچھ حالات قلمبند کئے ہیں یہاں کے لوگوں میں ایسے ملے جلے تھے کہ معتبر خبریں انہیں بآسانی ملسکتیں ان کی کتابوں میں بازاری گپیں بکثرت بھری ہیں اور اسلئے انکی تصنیفات اس پایہ اور اعتبار کی نہیں ہوسکتیں جو آج کل کے یورپین مورخوں نے انہیں دیا ہے۔ اور اس زمانہ کی تاریخ لکھنے میں ان پر انحصار کرنا تو محض غلطی ہے۔

لیکن جن لوگوں نے ان دنوں میں عالمگیر کی تاریخ لکھی ہے انکا غالب منبع اقتباس انہی سیاحوں کی تحریریں ہیں اور انہیں پر انہوں نے بہت انحصار کیا ہے۔ علاوہ ازیں ان تاریخ لکھنے والوں میں سے ایک کو بھی ہمارا خیال ہے زبان فارسی سے پوری واقفیت رکھنے اور عالمگیر کے زمانہ کی کتب تاریخ بغور پڑھنے کا دعوے نہیں۔ اور عالمگیر کی تاریخ لکھنے کیلئے زبان مذکور کا جاننا اور ان کتابوں کا بغور پڑھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اسی زبان اور انہی کتابوں میں مفصل حالات اس زمانہ کے مندرج ہیں اگر ان مورخوں سے کسی کو ایسا دعوے ہو بھی۔ تو ہم کہسکتے ہیں کہ انکا دعوے بیجا اور غلط ہے۔ انکی تصنیفات اس امر کی

خود شاہ ہیں۔ نمونہ کے طور پر اس جگہ اتنا بیان کر دینا کافی ہوگا کہ آپ صاحب امیر خسرو کے ساتھ فردوسی اور عنصری کو ہند کے فارسی شاعروں میں سے سمجھتے ہیں اور دوسرے معمولی الفاظ و فقرات فارسی کا ترجمہ کرتے وقت وہ غلطیاں کرتے ہیں کہ مطلب مصنف تو خبط اور ایک نیا شگوفہ پیدا ہو جاتا ہے۔

کسی شہنشاہ ہند کی تاریخ لکھنے کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ اسکا مورخ ہند کی قومی و ملکی حالات سے بخوبی ماہر ہو اور جب تک ان حالات سے کسی شخص کو پوری واقفیت حاصل نہو اسکی کتاب اپنے ہیرو کے کیرکٹر کا پورا آئینہ نہیں ہو سکتی۔ اورنگ زیب کے یورپین مورخین اس امر میں بھی صیفا سے تھے۔ انہوں نے اورنگ زیب کا کیرکٹر لکھنے کیوقت اپنی قوم و ملت کے عادات و خیالات کو جو انکے لئے طبعی ہیں مقیاس ٹھیرایا ہے۔ اور اس مقیاس سے اسکا اندازہ کرنے میں وہ سیدھی راہ سے کہیں دور جا پڑتے ہیں۔

یورپین صاحبان کی عام علمی لیاقت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا لیکن ہند کی تاریخ لکھنے میں ان رکاوٹوں کی وجہ سے جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں ان سے سخت غلطیاں ہوئی ہیں +

اگر ان غلطیوں کے نتیجے دور تک پہنچتے تو اسقدر قابل توجہ نہ تھیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سکولوں اور کالجوں میں تاریخی نقوش دلوں پر تا زیست قائم رہتے ہیں اور انسے غلط فہمیاں جو سوسائٹی کیلئے نہایت مضر ہیں پیدا ہوتی ہیں۔

ان وجوہات سے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ تاریخ میں غلط فہمیاں اگر کوئی ہوں اور اورنگ زیب کی نسبت ہمیں یقین ہے کہ ہیں دور کیجائیں اور کل واقعات جو اورنگ زیب کے کیرکٹر کی ظاہر کرنے اور اچھی طرح سمجھنے کے لئے ازبس ضروری ہیں ایک جگہ جمع کر دیئے جاویں۔ اچھوت۔ مرہٹے۔ اور دکنی عالمگیر کے خیالی ستم رسیدوں کی فہرست میں پہلے نمبروں پر ہیں۔ اور اصل میں انہی پر فہرست ختم ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے تاریخی الزامات عالمگیر کے باپ اور بھائیوں سے برتاؤ کے علاوہ اسکے کیرکٹر پر انہی تینوں قوموں سے فرضی بدسلوکیاں ہیں اور ان سب کی بنیاد تعصب مذہبی بیان کی جاتی ہے۔ انکے متعلق ہم نے سلسلہ واقعات تحریر کر دیئے ہیں جن سے انصاف پسند طبیعتیں خود نتیجے نکال لینگی۔ اور انکو معلوم ہو جائیگا کہ مذہب کو ان معاملات میں کہاں تک دخل تھا۔ ایسی باتیں جو کسی تاریخ میں نہیں پائی جاتی تھیں ہمنے نظر انداز کر دی ہیں اور اورنگ زیب کے کیرکٹر پر جو تاریخی دھبے بیان کیئے جاتے ہیں صرف انکی نسبت ہمنے اسکی بات ثابت کرنیکی کوشش کی ہے۔ واللہ المستعان +

اورنگ زیب

ولادت

سلطنت مغلیہ کے عروج کے زمانہ میں صوبجات گجرات و مالوا کی حد اتصال پر ایک چھوٹا سا قصبہ آباد تھا اور چونکہ یہ قصبہ دو صوبوں کی حدود پر واقع تھا اسے دوحد یا دوحدہ کہتے تھے۔ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ ہجری میں ۱۵ تاریخ کی رات کو ۷ گھڑی پر ۲۸ پل گذرے تھے کہ قصبۂ مذکور میں منتظمانِ قضا و قدر ایک بچہ کو عالمِ وجود میں لائے جس کا نام یادگار زمانہ چھوڑنا انہیں مقصود تھا۔ باپ اس بچہ کا شاہزادہ خرم (شاہجہان) اور اس کی ماں ممتاز محل آصفجاہ کی لڑکی اور مشہور ملکۂ نورجہان کی بھتیجی تھی۔ شہنشاہِ جہانگیر ان دنوں صوبۂ گجرات اور سمندر کی سیر سے واپس آرہا تھا اور شاہزادہ خرم بھی اس کے ہمرکاب تھا۔ مغلانیوں نے مشکوئے معلے میں تولدِ فرزند کی خبر شاہجہان کو تہنیت کے لفظوں میں سنائی۔ شاہجہان برسم معہود شہنشاہ باپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک ہزار اشرفی بطریق نذر پیش کرکے بیٹے کے لئے تجویزِ نام کی درخواست کی۔ جہانگیر نے **اورنگ زیب** نام رکھا اور جشن شاہی کا حکم نافذ فرمایا۔ چونکہ قصبہ میں جشن شاہی کا انتظام مشکل تھا صوبۂ مالوا میں پہنچکر اجین کے قریب شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ جشن منعقد ہوا۔ اسی موقعہ پر قلعۂ کانگڑہ کے فتح ہونے کی خبر پہنچی۔ کہتے ہیں کہ سلطان تغلق کے وقت سے لیکر ۱۰۲۷ھ ہجری تک باون دفعہ بڑے بڑے

بادشاہ اس قلعہ کا محاصرہ کر چکے تھے۔ لیکن اس کے فتح میں کوئی کامیاب نہ ہوا۔ چونکہ یہ فتح نمایاں بھی شاہجہان کے انتظام اور حسن تدبیر سے حاصل ہوئی تھی۔ اورنگ زیب کی ولادت کے جشن کی رونق اور خوشی کو اس نے دوبالا کر دیا۔ شہنشاہِ جہانگیر شہزادہ بلند اقبال شاہجہان کے پاس رسم تہنیت ادا کرنے کے لئے بذاتِ خود تشریف لے گئے اور اپنی زبان مبارک سے شاہزادہ کو مبارکباد دے کر اسکی عزت افزائی فرمائی۔ حکیم طالبائی نے جسے پایۂ تخت کے شاعروں میں ملک الشعرا کا درجہ حاصل تھا مندرجہ ذیل تاریخ ولادت لکھی اور انعام پایا۔

داد ایزد بپادشاہِ جہاں	خلفے ہمچو مہر عالمتاب
تاج صاحبقرانِ ثانی یافت	گوہرے بحر از گرفتہ حساب
نامش اورنگ زیب کردہ فلک	بخت زیں پایہ گشتہ عرش جناب
چوں بایں مژدہ آفتاب انداخت	افسر خویش بر ہوا چو حباب
خامہ از بہر سالِ تاریخش	زد رقم آفتابِ عالمتاب
	۱۰۲۷

کسی اور شاعر نے کہا ہے۔

گوہر تاجِ ملوک اورنگ زیب

۱۰۲۷

بچپن اور شاہزادگی

اورنگ زیب ابھی بچہ ہی تھا کہ شاہجہان کی باپ سے بدمزگی ہو گئی۔ اس وقت اورنگ زیب اپنے باپ کے ہمراہ تھا۔ دو برس تک تو اسکے ساتھ پھرتا رہا اور آخر بنگالہ میں آیا۔ جب شاہجہان نے وہاں بھی اپنا کام بنتے نہ دیکھا وہ خود تو دکن کو چلا گیا اور اورنگ زیب کو مع دیگر اہل و عیال رہتاس کے مضبوط قلعہ میں چھوڑ گیا۔ تین برس تک اورنگ زیب وہاں رہا۔ کچھ مدت قسمت آزمائی کر کے آخرش شاہجہان بر سر مصالحت ہوا باپ سے معافی قصور کے ساتھ شرط لگا دی کہ داراشکوہ اور اورنگ زیب بطور یرغمال دادا کے پاس رہیں۔ شاہجہان نے منظور کر لیا۔ شاہزادے محلاتِ شاہی میں بھیجے گئے

اور جہانگیر کی وفات تک اسی کے پاس رہے۔
جب شاہجہان ۱۰۳۷ھ ہجری میں بادشاہ ہوا۔ دارا شجاع اور اورنگ زیب دادا کے پاس لاہور میں تھے۔ آصف جاہ جہانگیر کی تجہیز و تکفین کے بعد نواسوں کو ساتھ لیکر آگرہ پہنچا۔ دار الخلافہ سے شاہزادہ مراد اور بیگمات ان کے استقبال کے لئے آئے۔ جب تینوں بھائی عالی شان باپ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے بادشاہ فرط محبت سے بے تحاشا اٹھ کھڑا ہوا اور دیر تک اپنے جگر گوشوں کو سینہ سے لگائے رہا۔ اسوقت اورنگ زیب کی عمر قریباً دس برس کی تھی۔
اورنگ زیب کی ابتدائی تعلیم کا حال اچھی طرح معلوم نہیں ہوسکتا۔ لیکن جب ہم اسکو شاہجہان کی تخت نشینی کے بعد دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کئی اتالیق اس کی تعلیم و تادیب کے لئے مقرر تھے۔ اُن میں سے فضل خان جو خود شاہجہان کا بھی اتالیق رہ چکا تھا۔ شیخ عبد القوی۔ ملا محمد صالح۔ ملا جیون۔ اور میر محمد ہاشم مشہور ہیں۔ فضل خان شاہجہان کے وقت سے منصب ہفت ہزاری پر جو اعلےٰ درجہ کے امرا کو عطا ہوتا تھا ممتاز تھا۔ شیخ عبد القوی ایک بڑا فاضل شخص تھا۔ اورنگ زیب نے اس کو اپنے عہد میں پنجہزاری منصب اور اعتماد خاں کا لقب عطا کرکے زمرۂ امرا میں داخل کر دیا۔ محمد صالح بیچارہ ایک کم علم ملا تھا۔ فضل خاں اور عبد القوی کے رتبہ کو نہ پہنچا اور ایک مختصر سی جاگیر پر ہی اپنا گذارہ کرتا رہا۔ ملا جیون جونپور کا رہنے والا اور نہایت درجہ کا متقی تھا۔ شاہجہان کا مورخ خاص ملا عبد الحمید لاہوری بادشاہ نامہ کے دہ سالہ اول کے خاتمہ میں (جو ۱۰۴۷ھ کے مطابق تھا) دربار شاہجہانی کے علماء و فضلا کی فہرست میں اورنگ زیب کے استاد میر محمد ہاشم کی نسبت یہ عبارت لکھتا ہے "چون دانائی او در فنون و فضائل خصوصاً طبابت بعرض اقدس رسید حکم شد کہ در ہمان بلدہ (احمد آباد گجرات) بخدمت صدارت و طبابت بپردازد و پس از انقضائے مدتے ملتزم عبودیت شدہ سینہ گشتہ بامر خاقانی شرف تعلیم اختر برج سعادت بادشاہزادہ محمد اورنگ زیب بہادر دریافت و اکنون در ملازمت آن والا گوہر کامیاب ست بر تفسیر بیضاوی حاشیہ نگاشتہ بنام نامی حضرت شاہنشاہی مطرز گردانیدہ ست"۔

اورنگ زیب فطرتاً تیز ذہن۔ ذکی اور محنتی تھا۔ خدا نے اسکو کچھ ایسا ملکہ عطا کیا تھا کہ وہ خود بخود تعلیم میں بہت جلد ترقی کر گیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اس نے ایسی باتیں نکالنی شروع کیں کہ اسکا استاد دنگ رہ گیا۔ اپنی ناواقفیت چھپانے اور آبرو بچانے کی غرض سے ملاجی (جو غالباً محمد صالح معلوم ہوتے ہیں) شہزادہ کو ادق اور غیر مفید علوم کے پھندوں میں الجھانے کی کوشش کرتے۔ پر اورنگ زیب اِن باتوں میں کب آنے والا تھا ملاجی کی تدبیر پیش نہ جانے دیتا اور اپنا کیا کرتا۔ لہو و لعب سے اُسے سخت نفرت تھی۔ وقت کی قدر خوب جانتا تھا۔ بچوں کے دل بہلانے والی باتیں اس کی طبیعت کے موافق نہ تھیں۔ جب شاہزادوں کی خوشی کے لئے کھیل تماشے ہوتے تو وہ اٹھ جاتا۔ اور کتاب لے کر الگ ہو بیٹھتا۔ دن رات مطالعہ کرنے کا اسے بہت شوق تھا اور جب اسکے بھائی کھیل کود میں مشغول ہوتے وہ اپنی عربی۔ فارسی کی کتابیں دیکھ رہا ہوتا۔ الغرض اورنگ زیب اپنے ذہن و ذکا اور شوق و محنت کے زور سے ایک قلیل مدت میں اپنے بھائیوں سے گوئے سبقت لے گیا بلکہ اس نے وہ ترقی کی کہ اس عمر کے لڑکے کے لئے ویسی استعداد حاصل کرنا اُن دنوں کا تو کیا ذکر ہے کوئی زمانہ ہو بہت مشکل ہے۔

متانت جو اس کی جبلت میں تھی مذہبی امور کی طرف جلد رجوع کرنے لگ پڑا اور فرائض مذہبی کی پابندی میں بچپن ہی سے مشہور ہو گیا۔ جمعہ کے دن باہر نہ جاتا تھا اور نہ کوئی کام کرتا تھا۔ یہاں تک کہ کتاب بھی نہ دیکھتا تھا۔

جب شاہجہان دربار میں فصل خصومات میں مصروف ہوتا۔ اورنگ زیب جو ابھی سنِ شعور کو نہ پہنچا تھا باپ کے پاس جا کھڑا ہوتا۔ واقعات بڑے غور سے سنتا۔ اہل مقدمات کے باہمی تنازعات انکے اسباب اور نتائج کو خوب اپنے ذہن نشین کرتا اور اکثر اوقات رائے زنی کرنے سے بھی نہ چوکتا۔ اس کا فکر رسا معاملات کی تہ کو پہنچتا تھا اور اسکی جودتِ طبع سے امر متنازعہ کی تجویز میں بادشاہ کو قابل قدر مدد ملتی تھی۔ بیٹے کی ذہانت۔ درستی رائے اور سلطنت کے پیچیدہ کاموں میں سہولیت پیدا کرنے کی قابلیت کو دیکھکر باپ کا دل باغ باغ ہو جاتا۔ وہ اس نوجوان کی جولانیٔ طبع کو کبھی نہ روکتا

بلکہ بعض اوقات خود بیٹے سے مقدمات میں مشورہ کرتا اور اس کی رائے کو اکثر برسر صواب پاتا تھا۔

اورنگ زیب صرف کتاب کا کیڑا اور ملاہی نہ تھا۔ بلکہ فن سپہ گری کا پورا مشاق اور حوصلہ میں اعلےٰ درجہ کا جری بھی تھا۔ تلوار چلانے اور برچھا مارنے میں اس کی چستی و چالاکی اور خطرہ سے لاپرواہی ضرب المثل تھی۔ وہ اپنی عمر سے بڑھ کر ذکا اور تہور رکھتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شاہجہان نے ہاتھیوں کی لڑائی کا حکم دیا۔ اورنگ زیب اس وقت ۱۴ سال کا تھا اور اسی کی سال گرہ کی تقریب تھی۔ بادشاہ جھروکہ میں بیٹھے اور تمام شاہزادے اور امرا و وزرا گھوڑوں پر سوار میدان میں کھڑے ہاتھیوں کی لڑائی کا خطرناک تماشا دیکھ رہے تھے۔ اورنگ زیب کی خطرہ پسند طبیعت قابو میں کب رہ سکتی تھی۔ اپنے تہور کے گھمنڈ میں وہ ہر لمحہ گھوڑے کو ایک دو قدم آگے ہاتھیوں کی طرف لے جاتا تھا۔ لڑنے والے ہاتھیوں میں سے ایک جو منہ موڑ کر بھاگنا چاہتا تھا اورنگ زیب کو قریب پاکر اسے کمزور حریف سمجھا اور اپنے مقابل کے ہاتھی کو چھوڑ کر نہایت غیظ و غضب کی حالت میں شہزادہ پر حملہ آور ہوا۔ شیر دل اورنگ زیب پیچھے کیوں ہٹنے لگا تھا۔ اپنا آپ سنبھال جھٹ سامنے ہو گیا اور مست خشم آلود ہاتھی سے لڑنے کو طیار ہو بیٹھا۔ ہاتھی بھی نزدیک پہنچ گیا اور چاہتا ہی تھا کہ سونڈ سے گھوڑے اور سوار دونوں کو زمین پر پٹخ دے کہ اورنگ زیب نے اسکے ماتھے پر اس زور سے برچھی رسید کی کہ کان کی طرف سے پار نکل گئی۔ ہاتھی زخم کھا کر اور بھی تند ہوا اور مارے غصہ کے سونڈ کو پیچ و تاب دیتا ہوا ایسا جھپٹا کہ اورنگ زیب کو گھوڑے سمیت اپنے دانتوں کے نیچے لے آیا۔ قریب تھا کہ شاہزادہ کا کام تمام ہو جاوے۔ اورنگ زیب جھٹ زین سے الگ ہو تلوار نکال دوبارہ ہاتھی پر حملہ آور ہوا۔ اتنے میں شہزادہ شجاع جو سامنے کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا۔ میدان میں نکل آیا اور گھوڑا دوڑا ہاتھی کے مقابل ہونا چاہتا ہی تھا کہ خود گھوڑے سے گر پڑا۔ اورنگ زیب کی مدد کو بہت سے جاں نثار پہنچ گئے اور ہاتھی بھاگ گیا۔ بادشاہ جو جھروکہ سے کل حال ملاحظہ کر رہے تھے۔

شہزادہ کو صحیح و سلامت دیکھکر از حد محظوظ ہوئے اور اس کو گلے لگاکر فرمانے لگے کہ نورچشم! ایسے موقع پر اس طرح اڑنا نہیں چاہئے بلکہ ہٹ جانا چاہئے۔ اورنگزیب نے ہاتھ جوڑکر عرض کی کہ غلام ہٹنے کو پیدا نہیں ہوا۔ شاہجہان نے اورنگ زیب کو اشرفیوں میں تلوایا۔ پانچ توڑے وزن میں اترے اور وہ مساکین اور مستحقین کو دے دئیے گئے۔ دو لاکھ روپیہ کے قیمتی تحائف اور بہادری کا خطاب شاہزادہ کو عطا ہوا اور اس دن سے اورنگ زیب کا نام اورنگ **بہادر** مقرر ہوا۔

۱۰۴۰ھ ہجری میں ملکہ ممتاز محل یعنے اورنگ زیب کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اس ناگہانی واقعہ سے تمام خاندان کو سخت رنج ہوا۔ شاہجہان کو ملکہ سے کمال محبت تھی اس نے دو برس تک دنیا کی لذتوں کا لطف نہ اٹھایا اور اس کے دل و دماغ پر ایسا صدمہ ہوا کہ چند روز میں بال سفید ہو گئے۔ شاہجہان کی تمام اولاد جو اس وقت موجود تھی اس ملکہ کے بطن سے تھی۔ ان میں چار بیٹے تھے اور تین بیٹیاں سب سے بڑے بیٹے کا نام داراشکوہ تھا۔ دوسرے کا محمد شجاع تیسرے کا اورنگ زیب اور چوتھے کا مراد بخش۔ اورنگ زیب کی عمر والدہ کی وفات کے وقت صرف تیرہ سال کی تھی۔ اور وہ دارا سے تین اور شجاع سے دو برس چھوٹا تھا۔ پر مراد بخش سے چار برس عمر میں بڑا تھا۔

جب ملکہ کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس نے بادشاہ سے چند وصیتیں کیں۔ اور اُن میں ایک یہ تھی کہ میرے بعد دوسری شادی نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ سوتیلے بھائیوں میں بگاڑ ہو اور میرے بچوں کی جانیں ضائع ہوں۔ بادشاہ نے اپنی چاہتی بیوی کی آخری خواہش کے مطابق ہی عمل کیا۔ پر خدا کی قدرت ملکہ کو جس بات کا کھٹکا تھا آخر وہی بات ظہور میں آئی۔ اور سگے بھائیوں میں وہ فساد ہوا جیاں کی محبت نے آخری دم خیرخواہی کے رو سے روکنے کی کوشش کی تھی۔

اورنگ زیب کی خداداد لیاقت۔ جرات اور بہادری کو دیکھ کر شاہجہان اسکا گرویدہ ہو گیا۔ شب و روز اس کی مدح سرائی کرتا تھا اور اس کی عادات جو بادشاہ

کو بھاتی تھیں۔ انعامات واکرامات سے اس کی قدر افزائی کی جاتی تھی۔ باپ کی
اس درجہ کی مہربانی نے شاہزادہ کا حوصلہ دوبالا کر دیا اور اس کی قابلیت دن دونی
اور رات چوگنی ہوتی۔ خاص توجہ شاہی نے اورنگ زیب کی شہرت کو ترقی
دی اور لوگوں میں اس کی لیاقت اور بہادری کے چرچے ہونے لگے۔ افسوس!
یہ بات دوسرے شہزادوں کو پسند نہ آئی اور بجائے اسکے کہ وہ اپنے حقیقی بھائی
کی نیک نامی اور کامیابیوں سے خوش ہوتے۔ الٹے رشک وحسد کی مہلک بیماریوں
میں مبتلا ہو گئے۔ اورنگ زیب کے حق میں باپ کی خاص عنایات انہیں سخت
ناگوار تھیں۔ وہ باپ کی نظروں سے اسے گرا دینے پر مستعد ہو گئے۔ اور گاہ بیگاہ
بادشاہ سے اس کی شکایتیں کرنے لگے۔ اور جہاں تک ہو سکتا۔ اس کی مذمت
کرکے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش میں مصروف رہتے۔ اسی اثنا میں اورنگ زیب
کی پندرہویں سالگرہ کے دن جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ نیا گل یہ کھلا کہ شاہجہان
نے اورنگ زیب کو اشرفیوں میں تلوایا۔ اور اور کئی طرح سے اس کی خاطر ومدارات
کی۔ مگر شاہ شجاع کی جو اورنگ زیب کے مقابلہ میں اپنی بہادری دکھانا چاہتا
تھا اور گھوڑے سے گر پڑنے کے سبب بذلت ناکامیاب رہا تھا کچھ بھی خاطر داری
اور دلجوئی نہ کی۔ شجاع چھوٹے بھائی کی کامیابی اور اس پر تہنیت کے چرچے اور
خاطر داریاں دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوا اور سب سے زیادہ اپنی کس مپرسی اس کو سخت
ناگوار گذری۔ اسے یہ بھی شک ہو گیا تھا کہ شاہجہان اورنگ زیب کو اپنا ولی عہد
بنانا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ اس سے اور بھی کشیدہ خاطر رہنے لگا۔ بھائی کی
خوشی اسکا رنج تھا۔ بھائی کو جو دشمن تصور کرتا تھا۔ جہاں دشمن کی عظمت وکرامت
عزیزوں اور ہمنشینوں کے دلوں میں قرار پا چکی تھی اس مقام میں وہ ٹھہر نہیں
سکتا تھا۔ مہابت خاں کو جو ان دنوں میں دکن کا صوبہ دار تھا لکھا کہ بادشاہ
کو کہ سنکر اسے اپنے پاس بلالے۔ مہابت نے دربار میں لکھا۔ شاہجہان جو شجاع
کے دکھوں سے بخوبی واقف ہو گیا تھا۔ بنظر دلجوئی شجاع ان کے دکن جانے پر

راضی ہوگیا اور منصب دہ ہزاری پنجہزار سوار عطا کرکے اس کو دکھن کی طرف روانہ کردیا۔ شجاع کی تیزی اور ناتجربہ کاری نے دکن کے معاملات کو پیچیدہ کردیا۔ اور افسرانِ سپاہِ شاہی میں اس کی خام کاری کی وجہ سے بغض و عناد پھیل گیا۔ اس کی خودسری سے مہاتیجان سخت ناراض ہوا۔ اور رام نے دربار میں شکایتیں لکھیں اور شجاع کو بغضب دربار میں واپس بلایا گیا +

دارا جو سب بھائیوں سے بڑا تھا اورنگ زیب کی اعلےٰ قابلیت سے جھینپتا۔ اور اس کی عزت افزائیاں پسند نہیں کرتا تھا۔ شاہجہان جو اورنگ زیب کی لیاقت کی تعریف کرتا۔ دارا کو بھلی معلوم نہ دیتی تھی۔ باپ کی قدرشناسی نے دارا کے دل میں بھی اورنگ زیب کی طرف سے خارِ عداوت لگایا۔ جو اخیر دم تک وہاں کھٹکتا رہا۔ وہ اپنے آپ کو ولی عہد سمجھا ہوا تھا اور شجاع کی طرح اس کو بھی شک ہوگیا تھا کہ شاہجہان اورنگ زیب کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہے۔ وہ اورنگ زیب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا اور اس کی تذلیل و تحقیر میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا تھا۔ بعض دفعہ اپنے ہمرازوں میں حقارتاً کہا کرتا تھا کہ شجاع و مراد کا تو مجھے کچھ خوف نہیں اگر کچھ ڈر ہے اس **نمازی** کا۔ شجاع کے منصب پر سرافراز ہونے سے دارا کے لئے ایک اور غم پیدا ہوگیا۔ اسے اب تک کوئی منصب نہ ملا تھا۔ مارے حسد کے اب وہ شجاع سے بھی ناراض ہوگیا۔ اس نے باپ کے پاس بڑے رنج سے آبدیدہ ہوکر شکایت کی۔ شاہِ جہان نے ہرچند محبت بھرے الفاظ میں اس کی تشفی کرنے کی کوشش کی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ناچار بادشاہ نے خلاف آئین سلطنت دارا کو بغیر کسی خدمت پر مامور کرنے کے منصب دوازدہ ہزاری شش ہزار سوار مرحمت کیا۔ اس پر بھی دارا شجاع کی سبقت منصب کو نہ بھولا اور دوستوں سے شکایت کرتا رہا +

گو شاہجہان اپنے جگر گوشوں پر دل و جان سے قربان تھا لیکن محبت نے اس کی عقل پر اتنا پردہ نہ ڈالا ہوا تھا کہ وہ ان کے عیوب سے ناواقف محض رہتا

اس کو جلدی معلوم ہو گیا کہ اس کے بچوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے رشک وحسد کے خار پیدا ہو گئے ہیں جو ایک نہ ایک دن ضرور تکلیف پہنچاوینگے وہ وقت بے وقت بچوں کو سمجھاتا اور حسد کا بیج ان کے دل سے نکالنا چاہتا تھا اورنگ زیب کو کئی بار لکھا گیا کہ وہ دارا اور شجاع کی دل جوئی کرتا رہے اور ان کی ناراضگی دور کرے۔ اورنگ زیب جیسے روشنضمیر اور صاحب لیاقت نوجوان کے لئے یہ قدرتی امر تھا کہ وہ اس فساد اور نا اتفاقی کے بڑے نتائج کو اچھی طرح سمجھ لیتا۔ ہاں اس کے پرائیویٹ خطوط اور نیز اس کی کارروائیوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس نے اس معاملہ کو ابتدا ہی سے خوب سمجھ لیا تھا۔ باپ سے اس نے بھائیوں کی استمالت کا وعدہ کیا۔ بھائیوں کی دلجوئیاں بھی کیں۔ ان کی عزت افزائیاں دیکھ کر خوش ہوا۔ اور ان کی طرف تہنیت نامے بھیجے۔ مراد کو گجرات اور شجاع کو بنگالہ کی صوبہ داری ملنے پر اس نے بڑی خوشی ظاہر کی اور ساتھ ہی ان حوصلہ بڑھانے والی عنایات کے لئے باپ کا بھی شکریہ ادا کیا۔ مگر جیسا اگلے حالات سے مفصل معلوم ہو گا تخم عداوت جو بویا جا چکا تھا۔ اس کا نکالنا مشکل ہو گیا۔ اورنگ زیب تو اس تخم ریزی کا بانی اور نہ اس کام میں شریک تھا بلکہ عداوت کے پودے کی پرورش میں بھی جہانتک طاقت انسانی میں ہے وہ کاہلی کرتا رہا۔ لیکن اس مزارعت حقد وحسد میں بھائیوں کی سرگرمی اور سب سے بڑھکر شاہجہان کی کمزوری کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ گئی۔

گورنری اور سپہ سالاری

سنہ ۱۰۴۴ھ سے اورنگ زیب کی گورنری اور سپہ سالاری کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اس وقت اس کی عمر قریباً سترہ سال کی تھی۔ آیندہ بیس برس میں وہ مختلف خدمات پر مامور ہوا۔ دکن۔ مالوہ۔ ملتان اور احمد آباد میں گورنری کی لیاقتیں

اور مہمات بندیلہ بیجاپور۔ بگلانہ۔ گولکنڈہ۔ بلخ اور قندہار میں سپہ سالاری کے
جوہر دکھاتا رہا۔ شروع ہی سے شاہجہان کو معلوم ہوگیا تھا کہ اس کے سارے
بیٹوں میں انتظامِ ملک اور اہتمامِ مہمات کے لائق اورنگ زیب سے بڑھکر کوئی
نہیں۔ اور شجاعت اور بہادری کے علاوہ تدابیرِ ملکی اور مردم شناسی کی اعلےٰ قابلیت
اس کے برابر کسی میں نہیں۔ لہٰذا جس مہم میں زیادہ تکالیف اور زیادہ خطرات
اور جس صوبہ کی حکم رانی میں زیادہ جواب دہی اور زیادہ پیچیدگیاں ہوئیں اسی پر
اورنگ زیب مقرر کیا جاتا تھا۔ اورنگ زیب نے ہر ایک کام کو جو اس کے سپرد کیا
گیا۔ نہایت عمدگی اور لیاقت سے سرانجام دیا اور گوونری اور جرنیلی کے وہ
جوہر دکھائے کہ تمام اراکینِ سلطنت کے دلوں میں خیال پیدا ہوگیا کہ شاہجہان
کے بعد ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں اورنگ زیب بھی حصۂ عظیم لیگا۔
سنہ ۱۰۴۴ہجری میں راجہ جھجار سنگھ والی ملک بندیلہ یا بندیلکھنڈ جس کو شاہجہان
نے دو سال پیشتر مطیع کیا تھا باغی ہوگیا۔ اورنگ زیب اس کی سرکوبی کے لئے
مقرر ہوا اور نصرت خان گورنر مالوا کو حکم ملا کہ وہ اس مہم میں اورنگ زیب کا مددگار
ہو۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اورنگ زیب آپکو خدمت پر امور ہوا۔ اس وقت تک وہ
ہمیشہ باپ کے پاس ہی رہا تھا اور کبھی کسی مہم میں شامل نہیں ہوا تھا۔ نصرت خان
اورنگ زیب کی کم سنی کی وجہ سے چاہتا تھا کہ وہ میدانِ جنگ میں نہ آئے
مگر اس کی نڈر طبیعت اس بات کو کب گوارا کرسکتی تھی۔ جہاں خطرہ کا مقام
ہوتا وہ اسی جگہ جا موجود ہوتا تھا اور اس لیاقت اور بہادری سے کارروائی کرتا
کہ بڑے بڑے تجربہ کار سپاہی دنگ رہ جاتے تھے۔ دو برس تک یہ لڑائی جاری
رہی آخر جب راجہ کے دار الخلافہ کا محاصرہ ہوا تو راجہ جنگلوں کو بھاگ گیا۔ اور
اسکا سارا ملک سلطنتِ عالیہ میں شامل ہوگیا +
اورنگ زیب بھی اس مہم سے واپس نہ ہوا تھا کہ شاہ جہان نے دکن
پر چڑھائی کی۔ رستہ میں اورنگ زیب بھی والد سے آملا۔ بادشاہ بیٹے کو بکامیابی

واپس آتے ہوئے دیکھکر نہایت خوش ہوا۔ اور اسکو اپنے ساتھ دکن کی مہم میں شامل کرلیا۔ دو برس تک والیانِ گولکنڈہ اور بیجاپور سے لڑائیاں ہوتی رہیں اور اِن لڑائیوں میں اورنگ زیب بہت سا حصہ لیتا رہا۔ آخرش جب ۱۰۴۸ھ ہجری میں گولکنڈہ اور بیجاپور نے اطاعت قبول کرلی تو شاہجہان نے اورنگ زیب کو امورِ دکن کی نگرانی کے لئے مقرر کیا اور تمام ملکی اور جنگی انتظام اسکے سپرد کرکے خود دارالخلافہ کو چلا گیا +

اس وقت دکن کا انتظام کچھ سہل کام نہ تھا۔ گولکنڈہ اور بیجاپور سے جنہوں نے بخوفِ شمشیر تازہ مصالحت کی تھی نازک شرائط معاہدات باہمی کی تعمیل کرانی تھی۔ بہت سے قلعجات نئے مفتوح ہوئے تھے۔ ایک حصہ دکن کا جس کا ایک الگ صوبہ بالاگھاٹ کے نام سے بنایا گیا تھا ابھی تلوار کے زور سے مملکت مغلیہ میں شامل کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ خاندیس۔ برار۔ تلنگانہ اور برہان پور کے صوبجات بھی اس گورنری میں شامل تھے۔ جن پر خانِ خاناں۔ خانِ دوراں۔ اور خانجہان جیسے لائق تجربہ کار۔ اور حکومت مغلیہ کے چیدہ امرا حکمران رہ چکے تھے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ انکے وقت میں یہ صوبے الگ الگ تھے اور سپہ سالاری کی خدمات بھی ان سے متعلق نہ تھیں۔ اب شاہجہان نے ان سب صوبوں کو جن کی مالگذاری پانچ کروڑ روپیہ کے قریب تھی اکٹھا کرکے ان کے نظم ونسق اور انتظام مہمات کے لئے اورنگ زیب کو مقرر کردیا۔ اور صرف اتنا ہی نہ تھا بلکہ قوم مرہٹہ کی تاخت وتاراج کا انسداد کرنا بھی اورنگ زیب کے فرائض میں شامل کیا گیا تھا۔ اس وقت اورنگ زیب کی عمر اکیس برس کی تھی۔ جب ہم ایک طرف تو اس اہم اور ذمہ داری کے کام کو دیکھتے ہیں۔ اور دوسری طرف اورنگ زیب کی چھوٹی سی عمر کو ملاحظہ کرتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں کہ شاہجہان نے اپنے بیٹے کی لیاقت کا کیا اندازہ کیا ہوگا جو اس کے سر پر یک لخت اتنا بوجھ ڈالدیا۔ مگر اورنگ زیب کی کارروائیوں نے ثابت کردیا کہ شاہجہان کا اندازہ قابلیت اورنگ زیب غلط نہ تھا۔ اورنگ زیب

سات برس نہایت کامیابی کے ساتھ دکن میں حکومت کرتا رہا اس عرصہ میں اس نے والیانِ گولکنڈہ و بیجاپور کو اور نیز مرہٹوں کو سر نہ اٹھانے دیا۔ اور ساتھ ہی اس کے ولایت بگلانہ کو جس کی آمدنی ۱۵ لاکھ روپیہ تھی فتح کر لیا*

صوبۂ دکن کا چارج لینے کے بعد ابھی سال اورنگ زیب کو شاہجہان نے شادی کے لئے آگرہ میں بلا بھیجا۔ اورنگ زیب شاہ نواز خاں بن آصف جاہ کی بیٹی سے منصوب تھا۔ شاہزادہ کو بادشاہ کی طرف سے دس لاکھ روپیہ جشن کے لئے عطا ہوا اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ بطورِ ساچق شاہنواز خاں کے گھر بھیجا گیا۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے شہزادہ کو سہرا باندھا۔ خود بدولت برات کے ہمراہ شاہنواز خاں کے مکان پر تشریف لے گئے اور چار لاکھ روپیہ مہر مقرر کر کے ۲۲ ذی الحجہ ۱۰۴۶ہجری کو عقد پڑھا گیا*

ابھی شادی ہو ہی چکی تھی کہ مہابت خاں جس کو شاہجہان نے اورنگ زیب کی مدد کے لئے دکن میں مقرر کیا ہوا تھا فوت ہو گیا اور اورنگ زیب کو اپنے کام پر فوراً واپس جانا پڑا*

دکن کے حسن انتظام اور عمدہ جنگی کارروائیوں کے سبب شاہجہان اورنگ زیب پر بہت خوش ہوا اور اس کو پانزدہ ہزاری نہ ہزار سوار کے منصب پر پہنچا دیا اور اس کے علاوہ دیگر انواع و اقسام کے انعامات سے اس کو مفتخر اور ممتاز کیا*

داراشکوہ جو ہر وقت باپ کے پاس رہتا اور بھائی کی کارروائیاں سنتا تھا اس کی کامیابیاں دیکھ نہ سکا۔ وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ اورنگ زیب اپنی خداداد لیاقت نیک شعاری اور شجاعت کے سبب لوگوں کی نظروں میں وقار اور باپ کے دل میں روز افزوں الفت پیدا کر رہا ہے۔ اورنگ زیب کا دکن میں کامیابی کے ساتھ حکومت کرنا اس کو خوش نہ آیا اسے دکن سے واپس بلانے کی تجویزیں سوچنے لگا اور آخر خیر خواہی کے پردہ میں اس نے اپنا کام نکال لیا۔

ایک دن موقعہ پاکر بادشاہ سے کہنے لگا کہ :-

"دکن کا انتظام اتنی مدت تک اورنگ زیب کے ہاتھ میں رہنے دینا سلطنت کے لئے خطرناک معلوم ہوتا ہے - مجھے بھائی کی وفاداری اور قابلیت پر تو پورا بھروسہ ہے مگر بادشاہ کی خوشی کسی ایک شخص کی قابلیت سے وابستہ کیوں ہو اورنگ زیب کی اعلےٰ لیاقت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا - لیکن اسکی حسنِ لیاقت اور نیک سلوک کی وجہ سے اس کے بہت سے دوست ہوگئے ہیں - ممکن ہے کہ وہ لوگ خود غرضی کے مارے اِن کاموں کے کرنے پر اورنگ زیب کو آمادہ کریں جو بغیر ان کی ترغیب کے وہ کبھی نہ کرتا بلکہ نفرت سے دیکھتا - فوج جو اس کے ماتحت ہے عادتًا اُس کی رضاجویاں ہے اور اس کی ذات کی خیرخواہ - کون کہ سکتا ہے کہ اِن کی دلوں میں سرحدی لڑائیوں کو چھوڑکر سلطنتِ عظمےٰ کے مال غنیمت سے مالا مال ہونے کا خیال پیدا نہ ہوجائے - اور بعد میں کچھ بھی نہ ہوسکیگا - دارالخلافہ کے عیاش سپاہی ان جفاکش مردان جنگ کا بھلا کیا مقابلہ کرسکینگے پیش بینی کا کچھ فائدہ نہیں جب تک کہ دور اندیشی کو کام میں لاکر خطرہ کو روکنے کا انتظام نہ کیا جائے - اپنے والد اور بادشاہ کو مشورہ دینا میرا فرض ہے آگے عمل جیسا آپ چاہیں کریں - لیکن بہرحال اورنگ زیب کو دکن سے واپس بلا لینا عین مصلحت ملک ہے - اس سے شاہزادہ اورنگ زیب کو بھی تحریص کا موقعہ نہ رہیگا - اور اگر وہ ایسا ہی متقی اور قانع ہے جیسا وہ اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے تو وہ بالضرور خدا کا مشکور ہوگا کہ اسے گناہ کی ترغیب سے دور کیا جاتا ہے" -

چونکہ ہروقت کے پاس رہنے اور میٹھی میٹھی باتوں سے دارا باپ کے دل پر بہت سا قابو پاچکا ہوا تھا - دارا کی یہ تقریر اپنا کام کر گئی - فورًا اورنگ زیب کے نام حکم جاری ہوا کہ خاندوراں کو دکن کا چارج دے دے اور احمد آباد کو آجائے وہاں اس کو مالوا کی گورنری کا حکم نامہ ملیگا اورنگ زیب نے فی الفور باپ کے حکم کی تعمیل کی اور احمد آباد کو چلا آیا - مگر یہاں پہنچکر اسے دربار میں حاضر ہونے کا

حکم موصول ہوا۔ اور ساتھ ہی اس کے دارا کی کل کارروائی کا حال معلوم ہو گیا۔ دربار میں پہنچا تو والد کے تیور بدلے ہوئے پائے۔ فوراً تاڑ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ مگر پیشتر اس کے کہ باپ کی طرف سے کھلم کھلا کچھ بے لطفی کا اثر ظاہر ہو غیرت اور پیش بینی کی وجہ سے آپ ہی مستعفی ہو گیا اور ایک سال تک کنج تنہائی میں بیٹھا رہا۔ دوسرے سال ہی جب جہاں آرا بیگم شاہزادہ کی بڑی ہمشیرہ نے جو شمع کی لو لگجانے کے سبب سے جل گئی تھیں غسل صحت کیا تو بیگم صاحبہ کی سفارش سے بادشاہ کے دل پر اورنگ زیب کی طرف سے جو ملال آگیا تھا دور ہو گیا اور اورنگ زیب کو جب سابق منصب پانزدہ ہزاری دہ ہزار سوار عطا ہوا اور پھر چند روز بعد صوبہ گجرات کی حکومت مل گئی +

۱۰۵۶ہجری میں شاہجہان نے ملک بلخ و بدخشاں کو فتح کرکے داخل ممالک محروسہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور شاہزادہ مراد کو پنجاہ ہزار سوار دے کر نذر محمد والی بلخ سے لڑنے کو بھیجا۔ مراد نے تھوڑے ہی عرصہ میں نذر محمد کو شکست دیکر ملک سے نکال دیا اور اسکا تمام ملک مغلوں کے تسلط میں آگیا۔ بادشاہ نے مراد کو اس نو مفتوحہ ملک کے انتظام کے لئے مامور کیا مگر مراد کو اس ویران اور بنجر ملک میں رہنا پسند نہ آیا۔ اس نے ہندوستان کو واپس آنے کے لئے باپ کے پاس عرضیاں بھیجنی شروع کیں۔ کبھی علالت طبع۔ کبھی ناموافقت آب و ہوا کا عذر پیش کرتا اور کبھی کہتا کہ مجھے اس ملک میں رہنا پسند نہیں ہے۔ بادشاہ ان عرضیوں کے بھیجنے پر سخت ناراض ہوا اور چونکہ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح نئے ملک کا پورا بندوبست ہو جائے اس لیے مراد کو تاکیدی حکم بھیجا کہ ہندوستان کی طرف آنے کا خیال ہرگز دل میں نہ لائے بلکہ شاہی ہدایات کے مطابق بلخ اور بدخشاں کا اچھی طرح انتظام کرے۔ مراد نے ان حکموں کی کچھ پرواہ نہ کی اور بلا اجازت ہندوستان کو چلا آیا بادشاہ نے غصہ میں آکر اس کا منصب ضبط کر لیا اور کوہستان پشاور میں اسے جلاوطن کر دیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد مراد نے عذر و معذرت کے خطوط لکھ کر اپنا قصور

معاف کروالیا اور اپنے منصب پر بحال ہوگیا۔

اسی اثنا میں عبدالعزیز پسر نذر محمد مذکور نے ازبکوں اور تاتاریوں سے مدد لیکر بلخ و بدخشاں کو مغلوں کے قبضہ سے نکال لینے کا ارادہ کیا اور اس ارادہ سے اس نے بڑی بڑی تیاریاں کرنی شروع کیں۔ گورنر کابل نے عین وقت پر اس امر کی اطلاع دی۔ اورنگ زیب اس وقت گجرات میں گورنر تھا اس کے نام فرمان پہنچا کہ فوراً دربار میں حاضر ہو۔ اورنگ زیب مقام جہلم پر باپ سے آملا اور آتے ہی مہم بدخشاں پر جانے کا حکم پایا*

معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کو گجرات سے بلانے اور مہم بدخشاں پر بھیجنے میں بھی داراؔ کی کارستانی تھی۔ اس نے موقعہ پاکر باپ کے کان میں پھونک دیا تھا۔ کہ اورنگ زیب کے سوا اور کوئی شخص اس مہم کو عمدہ طرح سرانجام نہ دے سکیگا۔ اور اصل میں اس کا منشا یہ تھا کہ اورنگ زیب دارالخلافہ کے نزدیک اور گجرات جیسے زرخیز ملک میں نہ رہے اور ایسی جگہ چلا جائے جو دارالخلافہ سے بہت دور ہو۔ بلخ و بدخشاں کا ملک اس مطلب کے لئے اسے بہت مناسب معلوم ہوا۔ دارا نے سوچا کہ اگر اورنگ زیب اس مہم میں ناکامیاب رہا تو وہ ازخود ذلیل ہو جائیگا۔ اور اگر کامیاب ہوگیا تو دارالخلافہ سے دور رہیگا۔ اور نیز بلخ و بدخشاں کچھ ایسا زرخیز ملک بھی نہیں ہے کہ اورنگ زیب کو اس سے کچھ فائدہ پہنچنے کی امید ہو سکتی ہو*

الغرض اورنگ زیب جو ہمیشہ باپ کے حکم کی تعمیل کو اپنا فرض سمجھا کرتا تھا حکم پاتے ہی بعجلت تمام موقع جنگ پر جا پہنچا۔ اور فوج کا کل انتظام اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس وقت غنیم کی فوج شاہی فوج سے چند میل کے فاصلہ پر پہنچ گئی ہوئی تھی۔ اورنگ زیب نے سب سے پہلے میدانِ جنگ کا معاینہ کیا اور قلعہ بلخ کی کچی پکی مرمتیں کرواکے لڑنے کو مستعد ہوگیا*

راجہ مادھوسنگھ کو تو کچھ فوج دے کر قلعہ کی حفاظت پر چھوڑا اور خود باقی فوج ساتھ لے دشمن کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ غنیم نے جب مغلیہ فوج کا انتظام اور استقلال

دیکھا تو رک گیا اور اس دن مقابل نہ ہوا۔ دوسرے دن اورنگ زیب نے اپنی فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور دشمن کی صفوں کو پریشان کر دیا۔ مگر دشمن کی فوج کے بعض رسالے دائیں بائیں پر آپڑتے تھے۔ اور مغلیہ لشکر کو نقصان پہنچاتے تھے۔ اورنگ زیب نے نہایت قابلیت اور استقلال کے ساتھ ان کو مار کر ہٹا دیا اور بالآخر سب کو میدان سے باہر دھکیل دیا۔ اس کے بعد شاہی فوج اپنے ڈیروں کو واپس آئی مگر ابھی خیموں میں اترنے نہ پائی تھی کہ عبد العزیز اپنی کل فوج کو اکٹھا کر کے اورنگ زیب کے بائیں پر حملہ آور ہوا۔ اتفاقاً ظفر خان کو جو اس بازو کا کمانڈر تھا اُس وقت بخار چڑھ آیا اور گو وہ بخار ہی کی حالت میں گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آگیا مگر زخمی ہو کر گر پڑا اور اس کی فوج پسپا ہو گئی۔ پھر عبد العزیز نے دائیں پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ اس بازو کی فوج کو بھی شکست ہو جائے کہ اورنگ زیب ان کی مدد کو آپہنچا اور اس استقلال اور بہادری سے لڑا کہ دشمن کو میدانِ جنگ چھوڑنا پڑا۔ مگر شاہی فوج ابھی اپنے ڈیروں کو واپس نہ ہونے پائی تھی کہ عبد العزیز نے از سر نو اپنی فوج کو جمع کر کے اور ایک چکر کھا کر عقب کی فوج پر حملہ کیا اور تمام توپیں چھین لیں۔ پر اس دفعہ بھی اورنگ زیب کی چستی و چالاکی کام میں آئی۔ وہ عین موقعہ پر آپہنچا اور اس بہادری اور انتظام کے ساتھ حملہ کیا کہ دشمن کی فوج کا بہت سا حصہ مارا گیا اور باقی تتر بتر ہو گئی۔ اس لڑائی میں غنیم کی فوج نہ صرف تعداد میں زیادہ تھی بلکہ اس کے تاتاری اور ازبک سپاہی بڑے بڑے جوان اور قوی ہیکل تھے مگر اورنگ زیب کی لیاقت اور شیر دلی کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی اور ایک ہی دن کی لڑائی میں اورنگ زیب نے ان کی جمعیت کو ایسا پامال کر دیا کہ ان کو بدخشاں کا ملک بالکل خالی کر دینا پڑا۔

جب نذر محمد والی بدخشاں نے دیکھا کہ مغلوں کا مقابلہ کرنے سے کچھ فائدہ مترتب نہ ہوگا۔ تو اس نے اورنگ زیب کے پاس اطاعت کی درخواست پیش کی۔ اورنگ زیب نے وہ درخواست باپ کے پاس بھیج دی اور شاہجہان نے اس درخواست

کو منظور کر کے نذر محمد کو بلخ و بدخشاں کی حکومت پر بحال کر دیا۔ الغرض عہد ناموں پر دستخط ہونے کے بعد اورنگ زیب باپ کے حکم کے مطابق پنجاب کو واپس آیا اور جہلم پر ملتان کی صوبہ داری کا حکمنامہ پاکر ملتان چلا گیا۔

"گوان دور دراز ملکوں کی لڑائی سے سلطنت مغلیہ کو اس سے زیادہ فائدہ حاصل نہ ہوا جو اس کے بعد آج تک اوروں کو حاصل ہوا ہے۔ مگر یہ لڑائیاں اورنگ زیب کے لئے بڑی شہرت کا باعث ہوئیں اور اس کے حق میں یہ ویسی ہی مفید ثابت ہوئیں جیسے جنرل رابرٹ اور جنرل **سٹوارٹ** کے حق میں جنگ افغانستان ثابت ہوا۔ اس کے بعد ہر ایک شخص کو معلوم ہو گیا کہ اورنگ زیب اعلیٰ درجہ کا جری، مستقل مزاج اور قابل جرنیل ہے۔ جب سپاہیوں نے عین لڑائی اور گولہ باری کے وقت اسے گھوڑے سے اتر کر بغیر کسی گھبراہٹ کے اپنی نمازیں ادا کرتے ہوئے دیکھا تو ان کو یقین ہو گیا کہ شاہجہان کے بعد ہند کی حکمرانی کے لئے قضا و قدر نے اورنگ زیب ہی کو منتخب کیا ہوا ہے۔"

۱۰۵۹ہجری میں شاہ ایران نے قندہار پر چڑھائی کی۔ اورنگ زیب کو حکم ملا کہ وزیر سعد اللہ خاں کے ساتھ ملکر ایرانیوں کو قندہار پر قابض ہونے سے روکے۔ مگر اس مہم کا کل انتظام سعد اللہ خاں کے ہاتھ میں تھا اور اورنگ زیب اس کے ماتحت صرف ایک فوجی افسر تھا۔ شاہی فوج کے پہنچنے سے پہلے ہی ایران والے قندہار پر قابض ہو گئے۔ اور اب شاہی فوج کو قندہار کا محاصرہ کرنا پڑا۔ تین مہینہ تک محاصرہ رہا اور جب آخری حملہ کیا گیا تو قلعہ والوں نے اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ مغلوں کو پسپا ہونا پڑا۔ چونکہ سردی کا موسم قریب آگیا تھا اور سامان بھی ختم ہو چلا تھا۔ شاہجہان نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم بھیجدیا۔ لیکن جب شاہی فوج واپس ہونے لگی تو ایرانیوں نے جمع ہو کر اس پر حملہ کیا مگر اورنگ زیب نے ان کو شکست دی۔ اس شکست کے بعد بھی ایرانیوں نے مغلوں کا پیچھا نہ چھوڑا اور قندہار سے تازہ کمک منگا کر شاہی فوج کو ستاتے رہے اور آخر کار

اپنی فوج کو آراستہ کر کے لڑائی کے طلبگار ہوئے۔ اورنگ زیب نے لڑائی کو منظور کر لیا اور دونو فوجوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ اس میں ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ ان کے بے شمار سپاہی مارے گئے اور باقی سب بھاگ گئے۔

۱۰۶۱ھ ہجری میں پھر اورنگ زیب کو قندہار پر حملہ کرنے کا حکم ملا۔ شہزادہ مراد جو کچھ دنوں سے بوجہ ناموافقت افسران شاہی دکن سے تبدیل ہو کر کابل کا گورنر مقرر ہوا تھا اورنگ زیب کی کارروائیوں میں مزاحمت کرنے لگا۔ اور اگرچہ اورنگ زیب کو تمام شمالی اضلاع کی فوج پر بادشاہ کی طرف سے اختیار دیا گیا تھا مگر مراد نے فوج کابل پر اپنی حکومت کا دعوے کر کے انہیں اورنگ زیب کے ساتھ شامل ہونے سے روک دیا۔ جب شاہجہان کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے مراد کو کابل سے مالوا میں بدل دیا۔ اور وزیر اعظم کو اورنگ زیب کے ساتھ محاصرۂ قندہار کے لئے روانہ کیا۔

ان وجوہات سے انتظام محاصرہ میں بڑی دیر واقع ہوئی اور ایرانیوں کو قندہار کے محفوظ کرنے کے لئے پوری فرصت مل گئی۔ اورنگ زیب نے قندہار پہنچ کر چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا مگر توپچیوں اور انجنیروں کی ناقابلیت کے سبب کچھ فائدہ مترتب نہ ہوا۔ اور آخر دو مہینہ آٹھ یوم کے بعد شاہجہان نے محاصرہ اٹھا لینے کا تاکیدی حکم بھیجدیا۔ اور اورنگ زیب ناکام ملتان کو واپس آگیا۔

داراشکوہ جو ہمیشہ اورنگ زیب کی کامیابیوں کو حسد کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا اور اس کی ناکامیابیوں پر خوش ہوتا تھا۔ اس موقعہ پر بھی مخالفانہ کارروائی سے باز نہ آیا۔ اس نے قندہار پر جانے کے لئے باپ سے درخواست کی اور گذشتہ دو محاصروں میں جو ناکامیابیاں ہوئی تھیں ان کو اورنگ زیب کی نالائقی اور بزدلی کا نتیجہ ظاہر کیا۔ بادشاہ نے دارا کی درخواست کو منظور کر لیا اور تمام شاہی خزانہ اور دریائے گنگ کے مغرب کی طرف کی کل فوج اور توپ خانہ

اس کے سپرد کر دیا۔ جہاں آرا بیگم شاہجہاں کی بڑی لڑکی نے بھی جو ہمیشہ سے دارا کی طرفدار تھی اور اس کو بہت محبت کیا کرتی تھی اپنے پاس سے بہت سا روپیہ اس مہم کے انتظام کے لئے دارا کو دیا۔ دارا نے بڑے زور شور کے ساتھ چڑھائی کا انتظام کیا اور جاتے ہی قندہار کا محاصرہ کر لیا۔ پانچ مہینہ تک محاصرہ رہا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر سپاہ تنگ آگئی اور حوصلہ چھوڑ بیٹھی۔ دارا ان کو دھمکاتا اور کہتا تھا کہ میں اورنگ زیب نہیں ہوں جو قندہار کو فتح کئے بغیر چلا جاؤنگا مگر اس کی ساری کوشش رائگاں گئیں۔ جنگی کارروائیوں سے مایوس ہو کر اس نے جنتر منتر اور تعویذ گنڈوں سے کام لینا شروع کیا پر آخرکار ناچار ہو کر محاصرہ اٹھالیا اور واپس چلا آیا۔ اورنگ زیب نے اس تازہ شکست پر دارا کو کچھ الزام نہ دیا۔ بلکہ جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ فی الواقع قندہار کا قلعہ بہت مضبوط ہے اس میں دارا کا کچھ قصور نہیں۔

اورنگ زیب پانچ برس تک ملتان کا صوبہ دار رہا اور قندہار کی مہموں سے جو فرصت اس کو ملی اس میں اس نے صوبہ ملتان کے جھگڑوں اور فسادوں کو کچھ تو حسن تدبیر اور کچھ بزور شمشیر فرو کیا اور کئی ایک رئیسوں اور زمینداروں کو جو سرکش تھے اور آج تک مطیع نہ ہوئے تھے تابع فرمان شاہجہان کیا۔

سنہ ۱۰۶۲ ہجری میں دوسری دفعہ اورنگ زیب ملک دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا پہلی دفعہ وہ سنہ ۱۰۴۶ ہجری میں مقرر ہوا تھا اور سات برس رہ کر دارا کی چغلی کھانے کے سبب دربار میں بلایا گیا تھا۔ اس کے پیچھے نو برس کے عرصہ میں مختلف افسر صوبہ داری دکن پر مامور ہوئے۔ سب سے آخر شاہزادہ مراد با تالیقی شاہنواز خاں جو مراد اور اورنگ زیب کا خسر تھا گورنر دکن مقرر ہوا تھا۔ مگر وہ اپنے اتالیق سے لڑنے اور اس کی گستاخی کرنے کے باعث تھوڑے ہی دنوں میں کابل کو تبدیل ہو گیا۔ اورنگ زیب کی غیر حاضری میں دکن ناتجربہ کار عمال کے ہاتھوں میں رہنے کے سبب سخت ویرانی اور بربادی کی حالت پر پہنچ گیا تھا۔ روز بروز کی لڑائیوں سے رعایا

مفلس ۔ کاشت بہت کم اور آمدنی قلیل ہو گئی تھی۔ اور اخراجات تھے۔ چنانچہ جب اورنگ زیب وہاں گیا تو خرچ آمدنی کی نسبت بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور اس کی تنخواہ سال میں صرف چند مہینوں کی وصول ہوتی تھی۔ جس سے اس کی ذاتی آمدنی میں سترہ لاکھ روپیہ سالانہ کا فرق آ گیا۔

ان خرابیوں کے رفع کرنے کے لئے اورنگ زیب ملتان سے دکن کو تبدیل ہوا۔ مگر یہ خیال کرنا کہ یہ تبدیلی داراشکوہ کی سازش بغیر واقع ہوئی بعید از قیاس ہے۔ دارا ہر وقت باپ کے پاس رہتا تھا اور کوئی کام اس کی صلاح و علم کے بغیر دربار میں نہیں ہو سکتا تھا۔ بادشاہ اسے محبت بھی بہت کرتا تھا۔ وہ اور اس کی ہمشیرہ جہاں آرا بیگم مل کر جو چاہتے تھے بادشاہ سے منظور کروا لیتے تھے۔ لہذا جب دارا نے ملتان میں اورنگ زیب کے پاؤں جمتے دیکھے تو اس نے اسکو وہاں سے بھی نکالنے کی تجویز کی اور اب دکن کی ابتر اور شکستہ حالت درست کرنے کے بہانے اورنگ زیب کو اس صوبہ میں بھجوا دیا۔ اورنگ زیب نے دکن کی درستی میں کمال کوشش کر کے ملک کی سرسبزی۔ رعایا کی خوشحالی۔ جمع محصولات کا خوب بندوبست کیا۔ اور لائق تجربہ کار افسروں کی تقرری اور اپنے ذاتی اخراجات کو کم کرنے سے سرکاری آمدنی میں جو کمی ہوتی تھی اس کو پورا کر دیا۔ مگر اب اورنگ زیب کو بڑی مشکل یہ آ پڑی کہ دربار میں اس کی بات کی طرف توجہ نہ ہوتی۔ کیونکہ بادشاہ کی متزلزل صحت کے سبب داراشکوہ سلطنت کے کاموں میں اور بھی زیادہ دخل دینے لگ گیا تھا۔ کئی روز تک اورنگ زیب کے ضروری خطوط بادشاہ کے سامنے پیش نہ ہوتے اور دربار میں دکن کے اہم معاملات کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی۔ باوجود ان سب باتوں کے اورنگ زیب ہمیشہ باپ کی رضاجوئی کا متلاشی رہتا اور جو زجر و عتاب دربار سے اس کے نام آتے گو وہ کیسے ہی بیجا ہوتے ان پر کبھی غصہ ظاہر نہ کرتا تھا۔

اورنگ زیب ابھی دکن کے مالی معاملات کی درستی میں مصروف تھا کہ

شاہجہان نے اس کو گول کنڈہ پر فوج کشی کا حکم بھیجا۔ اس فوج کشی کے اسباب ونتائج ہم دکن کے فصل میں لکھینگے۔ اس جنگ کے متعلق اس جگہ اتنا بیان کر دینا کافی ہوگا کہ اورنگ زیب نے بڑی حسن لیاقت اور بہادری سے اسے سرانجام دیا۔

معاملہ گول کنڈہ کو طے ہوئے ابھی دیر نہ ہوئی تھی کہ شاہجہان نے اورنگ زیب کے نام بیجاپور پر حملہ کرنے کے لیے فرمان صادر کیا۔ اور منیر جملہ اور دیگر امرائے نامدار کمکی افسر مقرر ہوئے۔ شاہی فوج قلعہ پر قلعہ فتح کرتی چلی جاتی تھی۔ کہ دارا کی خودغرضی اور خودرائی نے مہم مذکور میں دلخواہ نتیجہ حاصل کرنے میں بہت سی مشکلات پیدا کر دیں۔ اِن دنوں میں دارا نے خودسرا اور مختار مطلق بن جانے کے لئے علانیہ کوششیں کیں اور اکثر لوگوں کی یہ رائے تھی کہ اصل میں شاہجہان نے دارا شکوہ کی روزافزوں بے ادبیوں کے روکنے کی غرض سے اس مہم کو نئی فوج بھرتی کر لینے کے لئے ایک معقول بہانہ ٹھہرایا تھا۔

دارا کی خودسری نے عالمگیر کو مجبور کیا کہ وہ مہم بیجاپور سے واپس آئے لیکن حزم وعزم عالمگیری نے مغلیہ نام پر کسی قسم کا دھبہ نہ لگنے دیا۔

خانہ جنگیاں

ساتویں ذی الحجہ ۱۰۶۷ھ ہجری مطابق ۱۷ ستمبر ۱۶۵۷ء کو شاہجہان مرض حبس البول میں سخت مبتلا ہوا اور کئی روز تک بے ہوش پڑا رہا۔ اس کی بیماری کے ایام میں انتظام سلطنت شاہزادہ دارا شکوہ کے ہاتھ میں جو اسوقت باپ کے پاس تھا آ گیا۔ دارا نے عنانِ سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی ایسی کارروائیاں شروع کیں کہ تمام ملک میں ہل چل مچ گئی۔ سب سے پہلے دارا نے بھائیوں سے باپ کی بیماری کی خبر چھپانے کی کوشش کی اور ان کے وکیلوں سے مچلکے لے لیئے کہ

دربار کی خبریں تحریر نہ کریں۔ ساتھ ہی اس کے احمد آباد۔ دکن۔ اور بنگالہ کے رستے محفوظ کرلئے اور تاجروں اور قاصدوں تک کی آمد و رفت روک دی۔ اسکے بعد امرا وزرا میں تغیر و تبدل شروع کیا۔ میر جملہ کو جسے شاہجہان نے وزیر اعظم مقرر کیا ہوا تھا اس خیال سے کہ اسے اورنگ زیب کے ساتھ تعلق ہے وزارت سے معزول کرکے اس کے بیٹے محمد امین کو جو باپ کی نیابت میں وزارت کا کام کرتا تھا دربار میں آنے سے بند کردیا اور رائے رایان کو وزیر اعظم بنادیا۔ شاہی خزانہ پر قبضہ کرنے کے لئے جو اس وقت آگرہ میں تھا بادشاہ کو باوجودیکہ اس کی حالت بیماری اطمینان بخش نہ تھی تبدل آب و ہوا کے بہانے دلی سے آگرہ میں آنے کی ترغیب دی۔ اور لے آیا۔ اور اورنگ زیب کے خزانہ کو جو اس کے وکیل کے پاس تھا ضبط کرلیا اور اسکے وکیل کو قید کرلیا +

اس وقت اورنگ زیب دکن میں۔ شجاع بنگالہ میں۔ اور مراد گجرات میں باپ کی طرف سے گورنر تھے۔ جب ان شہزادوں نے باپ کی بیماری کی خبر سنی اور بڑے بھائی کی زیادتیاں دیکھیں تو گھبرا اٹھے۔ قاعدے کی بات ہے کہ ایسے موقعوں پر عجیب عجیب افواہیں اڑا کرتی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔ کبھی یہ مشہور ہوتا کہ بادشاہ فوت ہوگیا ہے۔ اور کبھی یہ خبر اڑتی کہ دارا نے باپ کو قید کرلیا ہے یا زہر دے کر مار ڈالا ہے اور خود تخت پر قابض ہوگیا ہے۔ تین ماہ کا عرصہ گذر گیا تھا کہ بیٹوں نے باپ کی بیماری کی خبر سنی تھی۔ اسکے بعد نہ تو اُن کو باپ کا کچھ حال معلوم ہوا اور نہ دربار کی کچھ کیفیت سننے میں آئی۔ اور چونکہ دارا نے نامہ و پیام کی تمام راہیں مسدود کردی ہوئی تھیں اور پختہ خبر منگوانے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا تھا۔ تینوں بھائیوں نے آپس میں خط و کتابت کرکے صلاح کی کہ آگرہ کو چلیں۔ اور بڑے بھائی نے جو خرابیاں ڈال رکھی ہیں انہیں رفع کریں۔ مگر پیشتر اس کے کہ اس تجویز پر عمل کرنے کا موقع ملے مراد نے پیشدستی کرکے گجرات میں اپنے نام کا سکہ خطبہ جاری کردیا اور اپنا لقب مروج الدین مقرر

کر کے بادشاہ بن بیٹھا۔ بندر سورت پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور وہاں کے سوداگروں سے بہت سا روپیہ زبردستی قرضہ لے لیا۔ اُدہر شاہ شجاع نے جو بنگالہ میں تھا اس خبر کو سنکر اور غالباً اس خیال سے کہ کہیں مراد آگرہ میں پہنچ کر بادشاہِ ہند نہ ہو جاوے فوج کثیر جمع کرنی شروع کی اور کھلم کھلا تخت پر قبضہ کرنے کے لئے دار الخلافہ پر چڑہائی کر دی ؛

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چاروں شہزادوں کے کیرکٹر کا کچھ حال تحریر کیا جائے تاکہ آئندہ واقعات اچھی طرح سمجھ میں آسکیں ؛

دارا شکوہ جو سب شہزادوں میں بڑا تھا اس وقت بیالیس برس کا تھا بعض باتیں اس میں تعریف کے قابل تھیں۔ وہ خوش خلق۔ خوشگو۔ صاحب لیاقت۔ ظریف اور خوبصورت تھا۔ دانا بھی تھا مگر لوگوں کے دل کا حال معلوم کرنا نہیں جانتا تھا۔ وہ چاہتا کہ لوگ خود بخود اپنا راز دل اسے بتا دیا کریں اور ایسا ہی وہ خود بھی اپنے دل میں کوئی بات چھپا نہ رکھتا تھا۔ اس کی طبیعت میں جوش اور جرأت بہت تھی مگر میں وقت پر وہ اس قدر جوش میں آجاتا تھا کہ اسکو نیک و بد کی تمیز نہ رہتی تھی۔ خود پسندی اور خود رائی بھی اس میں پائی جاتی تھی اور اس کو یہ گھمنڈ تھا کہ میں اپنی عقل کی رسائی اور خوش تدبیری سے ہر امر کا بند و بست اور انتظام کر سکتا ہوں۔ اور کوئی فرد بشر ایسا نہیں جو مجھے صلاح و مشورہ دے سکے۔ وہ ان لوگوں سے جو اسے ڈرتے ڈرتے کوئی صلاح دینے کی جرأت کر بیٹھتے تھے تحقیر اور اہانت سے پیش آتا تھا۔ ڈرانے اور دھمکانے میں بڑا شیر تھا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے امراء کو بُرا بھلا کہ بیٹھتا اور ان کی ہتک کر ڈالتا۔ لیکن اس کا غصہ اور بدمزاجی ایک آن کی آن میں جاتی رہتی۔ عیاشی کو پسند نہ کرتا تھا مگر فی الجملہ نیکوکار اور متقی تھا۔ اور اپنے فرصت کے وقت کو کتب بینی میں صرف کرتا۔ اس شہزادے کے مذہبی خیالات عجیب قسم کے تھے۔ صوفیوں سے بہت رغبت رکھتا تھا۔ انکی تصنیفات دیکھتا

بلکہ خود بھی تصوف کی کتابیں لکھتا اور رات دن اسی کام میں مشغول رہتا تھا
فقیروں اور گوسائیوں سے بہت میل جول رکھتا اور ان پر بڑا انعام و اکرام کرتا تھا
بعض مورخین کا خیال ہے کہ اصل میں اسکا کوئی مذہب نہ تھا وہ اپنے مذہبی خیالات
کو پولیٹکل حالات کے مطابق بنالیتا تھا۔ ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملانے کے
لئے وہ ان کے اعتقادات کا معتقد ہو جاتا اور اگر دیکھتا کہ فرنگیوں کی مدد سے
جو اس وقت اس کی فوج میں بکثرت داخل ہو گئے تھے کچھ کام نکلنے کی امید ہے تو
تو وہ عیسائی بن جاتا تھا۔ مگر اس کی اس پالیسی نے بجائے فائدہ کے اس کو
بہت نقصان پہنچایا اور آخر کار اس کی تباہی کا باعث ہوئی +

شاہ شجاع جو دارا سے عمر میں ایک برس چھوٹا تھا۔ انصاف۔ رحم دلی
اور خوبصورتی کے لئے مشہور تھا اور ظلم اور بیرحمی کا سخت دشمن تھا۔ دارا کی
طرح وہ بھی صاف دل تھا۔ مگر اس کی نسبت زیادہ متین تھا۔ سازش کرنا بھی
جانتا تھا۔ دوستوں پر مہربانی کرتا اور ان کے مشورہ کو سن لیتا۔ مگر اس کی مزاج
میں شان و شوکت اور عیاشی بہت تھی۔ بہت سی خوبصورت عورتیں اس نے
جمع کر رکھی تھیں اور اکثر اوقات ان میں مشغول رہتا۔ بہادر بھی تھا اور جرنیلی
کی لیاقت بھی خوب رکھتا تھا۔ اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ بھائیوں کے
مقابلہ میں جو شکستیں اس کو ملیں ان میں اس کا اپنا چنداں قصور نہ تھا بلکہ
بنگالہ کی فوج کی بزدلی ان کا اصلی باعث تھا۔ یہ شاہزادہ مذہب کی طرف کم
مائل تھا اور کچھ کچھ اہل تشیع سے خیالات رکھتا تھا۔ غالباً اس کا منشا یہ تھا
کہ اس پالیسی سے ایرانی امرا کو جو کثرت سے دربار میں تھے اپنا ہمدرد اور
طرفدار بنائے +

سب سے چھوٹے بھائی کا نام مراد بخش تھا۔ اس کی عمر اس وقت تینتیس ۳۳
برس کے قریب ہوگی وہ شجاعت اور دلیری کا پتلا تھا۔ اس کو شکار کا بہت شوق
تھا اور کھیل کود میں وقت ضائع کرتا تھا۔ گھوڑا دوڑانے۔ تیر چلانے اور نیزہ بازی میں

لاثانی تھا۔ لڑائی میں شامل ہونے کا بڑا شایق تھا مگر انتظام جنگ نہ جانتا تھا سازش کو پسند نہ کرتا بلکہ ہر ایک کام کو بزور شمشیر کرنا چاہتا تھا۔ میدان جنگ میں جہاں زیادہ خطرہ ہوتا وہیں جا پہنچتا۔ اور کشت و خون سے بہت خوش ہوتا تھا۔ امن کے وقت اس کے مزاج میں فیاضی۔ اور رحمدلی بہت پائی جاتی تھی مگر اس میں جتنی خوبیاں تھیں سب کمزور تھیں۔ اور اس عام کمزوری نے اسے سخت نقصان پہنچایا +

اورنگ زیب دارا اور شجاع سے چھوٹا مگر مراد سے بڑا تھا۔ اس کی عمر اس وقت تقریباً ۳۹ برس کی ہوگی۔ اس شہزادے کے حالات سب بھائیوں سے نرالے تھے۔ یہ بھائیوں کی طرح خوبصورت نہ تھا مگر اس کی لیاقت نے اس کو لوگوں میں مقبول بنا دیا تھا۔ اس کی مزاج میں متانت۔ استقلال اور سادگی بہت تھی اور جن لوگوں نے اس کو دیکھا نہ تھا وہ بھی اس کی سلامت رائی کے قائل ہوگئے تھے۔ اس کے عادات اور طریقے دل پسند اور تسلی بخش تھے۔ اور لوگوں کو اپنا بنا لینے میں اس کو ید طولے حاصل تھا۔ اس کی ملکی تدبیر بڑی زبردست اور مفید تھی۔ دشمنوں کو تلوار کی نسبت حکمت عملیوں سے جلدی مغلوب کر لیتا طبیعت کا بردبار اور منصف تھا۔ اور مردم شناسی کی قابلیت اس میں اعلےٰ درجہ کی پائی جاتی تھی۔ فطرتاً بہادر اور محنتی تھا۔ اور مختلف اور متعدد لڑائیوں میں شامل ہونے کے سبب فنون جنگ کا خوب ماہر ہوگیا تھا۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتا۔ فارسی عربی میں اس کی لیاقت مسلم الثبوت تھی چنانچہ اس کی تحریریں آجتک فارسی زبان میں بڑی قدردانی کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ اس شہزادہ کو مذہب کا بھی بڑا خیال تھا مگر دارا کی طرح ڈانواں ڈول یقین نہ تھا۔ ٹھیٹ اسلام کا پیرو تھا اور احکام شریعت کے بجا لانے میں دل و جان سے مصروف رہتا۔ اس کی دینداری ضرب المثل تھی۔ اور اس کی نیکوکاری اور خداپرستی نے لوگوں کو اسکا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ سب شہزادوں کی نسبت

تمام امرا و وزرا اسی کو پسند کرتے تھے۔

شاہجہان کی اپنی راے اپنے بیٹوں کی نسبت یہ تھی کہ مہین پور خلافت اگرچہ اسباب شان و شوکت و سامانِ تجمل و صولت ہمہ دارد لیکن عدوِ نیکواں و دوستِ بداں واقع شدہ ع

با بداں نیک و بد بہ نیکاں نست

شجاع غیر از سیر چشمی وصفے ندارد و مراد بخش مجہول الکیفیت بالکل و شرب سائر دائم الخمر است۔ مگر اورنگ زیب ذی عزم و مآل اندیش بنظر مے آید اغلب کہ متحمل امر خطیر ریاست تواند شد۔

شروع نومبر میں شاہجہاں کو بیماری سے افاقہ ہونے لگا۔ دیکھا کہ تمام عالم تہ و بالا ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے اسنے میر جملہ کا حال دریافت کیا اور اس امر کے معلوم ہونے سے کہ دارا نے اس کو موقوف کر دیا ہے بہت ناراض ہوا۔ مگر دارا کی سرزوری کے سبب کچھ نہ کر سکا۔ البتہ راے رایاں کی جگہ جسے دارا نے وزیر اعظم بنا لیا تھا جعفر خان کو وزیر مقرر کر دیا۔

بادشاہ کی بیماری سے تمام قلمرو میں ایک سخت پریشانی اور تہلکہ پڑ گیا تھا دلی اور آگرہ میں دارا شکوہ نے ایک بڑی زبردست فوج جمع کی اور باپ کے پاس بھائیوں کی سخت شکایتیں کیں۔ لیکن بادشاہ کو دارا شکوہ پر بالکل اعتبار نہ تھا یہانتک کہ اسے کامل شبہ تھا کہ وہ اسے زہر دلوانے کی فکر میں ہے بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے اورنگ زیب سے بھی کچھ خط و کتابت کی تھی جس کی خبر پاکر اور طیش میں آکر دارا شکوہ نے باپ کو بہت سا دھمکایا تھا۔ دارا نے بھائیوں کی طرف سے باپ کے کان بھرنے شروع کئے۔ اور ان کی کارروائیاں روکنے اور طاقت گھٹانے کے لیئے تجویزیں پیش کیں۔ شاہجہان نے اس کی تجویزوں کو سخت ناپسند کیا اور احکام جاری کرنے میں بہت تردد ظاہر کیا۔ مگر دارا نے اصرار کرکے اپنی تجویزوں کے مطابق حکمنامے جاری کرا دیئے۔

اور اپنی کوتہ اندیشی سے اپنے آپ کو۔ اپنے باپ کو بلکہ تمام خاندان کو سخت تکالیف
اور مصیبتوں کا گرفتار کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دارا کو باپ کے مزاج میں
بہت دخل ہو گیا تھا۔ اور ہر وقت کے پاس رہنے اور خوشامد اور خدمتگذاری
سے اس نے باپ کو ایسا گرویدہ بنالیا تھا کہ جو چاہتا اس سے منظور کرا لیتا
خصوصًا موجودہ بیماری کے ایام سے وہ ایک طرح کا خود مختار بن گیا اور باپ کے
حکموں کی بھی چنداں پرواہ نہ کرتا تھا۔ بادشاہ بوجہ بیماری کام کے قابل نہ رہا
تھا اور اس کی کمزوری کے سبب دارا نے اس پر ایسا قابو پالیا تھا کہ جس طرف
چاہتا اس کو پھیر دیتا اور اس کے نام سے جو چاہتا کر لیتا تھا +

سب سے پہلے دارا نے اورنگ زیب سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ اورنگ زیب
اس وقت حاکم بیجاپور سے لڑ رہا تھا اور کل فوج کی سپہ سالاری اور دکن کی صوبہ
داری اسکے سپرد تھی۔ دارا کو یہ خیال ہوا کہ اگر خزانہ جو بیدر کے قلعہ سے اورنگ زیب کے
ہاتھ آیا ہے اور دکن کی کل فوج اور تجربہ کار افسر جو اسکے زیر فرمان ہیں اورنگ زیب کے
پاس رہے تو اس کو بڑی تقویت حاصل ہو جائیگی۔ اسلیئے دارا نے باپ کیطرف سے
اورنگ زیب کے نام حکم بھیجدیا کہ فورًا حاکم بیجاپور سے مصالحت کرکے اورنگ آباد
کو واپس چلے آؤ اور تمام افسران فوج کو اور نیز کل خزانہ جو تمہارے پاس ہے دارالخلافہ
کی طرف روانہ کردو۔ دارا نے اس پر بھی اکتفا نہ کرکے دکن میں اپنے معتبر آدمی
بھیجدیئے۔ تاکہ فرمان شاہی سے لوگوں کو اطلاع کر دیں اور افسران
موجودہ دکن کو آگرہ میں بلا لائیں۔ چنانچہ مہابت خاں اور راؤ ستر سال وغیرہ
امراء بے اجازت اورنگ زیب دکن سے چلے آئے +

انہی دنوں میں صوبہ مالوا کا گورنر شایستہ خاں چاروں شہزادوں کا ماموں
تھا۔ لیکن چونکہ شایستہ خاں اورنگ زیب کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتا تھا
دارا نے شایستہ خاں کی جاگیر ضبط کر لی۔ اور اس کی جگہ راجہ جسونت سنگھ کو
صوبہ مالوا کا گورنر بنا کر اورنگ زیب کی سرکوبی کے لئے مقرر کر دیا۔ بیچارے

شایستہ خاں کو برطرفی عہدہ کے علاوہ دو چار روز قید رہنے کی بیعزتی کا صدمہ بھی اٹھانا پڑا +

ادہر شاہزادہ مراد کو جس نے گجرات میں اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر کے اپنے آپ کو بادشاہ مشہور کردیا تھا۔ برار میں جو پہلے سے اورنگ زیب کی جاگیر میں تھا (غالباً مراد اور اورنگ زیب کو بھڑانے کی خاطر) تبدیلی کرنے کی تجویز کی اور اس کی جگہ قاسم خاں نامی ایک امیر کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کر کے احمد آباد کی طرف روانہ کردیا۔ اور مراد کو کہلا بھیجا کہ اگر تم حکم کی تعمیل کر کے برار کو فوراً نہ جاؤگے تو تم کو قید کردیا جاویگا +

"اس عرصہ میں بادشاہ کی علالت اس قدر بڑھ گئی کہ اس کے مرنے کی افواہ اڑ گئی اور تمام دربار درہم برہم ہوگیا اور آگرہ میں یہانتک خوف و خطر پھیلا کہ بازاروں میں کئی روز تک ہڑتال رہی اور چاروں شاہزادے علانیہ کھل کھیلے اور صاف کہدیا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ تلوار ہی سے ہوگا اور واقعی ان کو اپنے اس ارادہ سے دست بردار ہونا مشکل بھی تھا۔ کیونکہ فتح یابی کی حالت میں تو تخت کی امید تھی اور شکست کی صورت میں جان کے جانے کا یقین کلی تھا اور اب صرف دو ہی باتیں تھیں یا موت یا سلطنت" +

شاہ شجاع نے سب سے پہلے دارالخلافہ پر چڑھائی کی۔ سلیمان شکوہ دارا کا بڑا بیٹا ۳۰۰۰۰ سوار کے ساتھ اس کے روکنے پر مامور ہوا۔ اور راجہ جے سنگھ جو بڑا طاقتور اور تجربہ کار افسر تھا سلیمان کی مدد کے لئے مقرر ہوا۔ مگر شاہجہان جو دارا کی ان تجویزوں کو ناپسند کرتا تھا جے سنگھ کو علیحدہ سمجھا دیا کہ جہانتک ممکن ہو شجاع سے لڑائی نہ ہونے دے اور اسکو سمجھا کر واپس کردے۔ ماہ دسمبر میں طرفین کی فوجیں بنارس کے قریب پہنچ گئیں۔ اور راجہ جے سنگھ نے شاہجہان کی ہدایات پر عملدرآمد کر کے شاہ شجاع کو واپس جانے پر راضی کرلیا۔ سلیمان نے اس کارروائی کو پسند نہ کیا اور ایک دن علی الصبح شجاع کی فوج پر حملہ کر کے

اسکو شکست دی شجاع بھاگ گیا سلیمان نے اسکا تعاقب کیا اور منگیر کے قلعہ میں اس کو محصور کر لیا۔ مگر شجاع نے باپ کی طرف عذر و معذرت کے خط لکھے اور اپنا قصور معاف کروا لیا۔ اگرچہ دارا کسی طرح معافی دینے پر راضی نہ تھا مگر دکن کی طرف سے ایک بڑے طوفان کے اٹھنے کی خبریں سنکر شجاع سے مصالحت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ شجاع صوبہ داری بنگالہ پر بحال رہا اور سلیمان کو دار الخلافہ کی طرف واپس آنے کا حکم پہنچا۔ بہت سے امرا جو اس لڑائی میں شجاع کے مددگار رہے تھے گرفتار ہو کر آگرہ میں آئے۔ دارا نے ان میں سے بعض کو قتل کر دیا۔ اور بعض کے ہاتھ پاؤں کٹوا ڈالے ✢

جب اورنگ زیب کو اورنگ آباد آنے کا حکم ملا۔ اور ساتھ ہی دارا کے آدمی افسران متعینہ دکن کے پاس پہنچے تو لشکر شاہی میں بل چل مچ گئی اور بیجاپوریوں سے جو معاہدات ہو رہے تھے ان کی تکمیل میں سخت ہرج واقع ہوا۔ تاہم اورنگ زیب نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ سب معاملات کو حسب اطمینان طے کیا اور ماہ نومبر میں اورنگ آباد کو واپس آ گیا۔ ناؤ ستر سال اور مہابت اور دیگر امرا جن کے پاس دارا کے آدمی پہنچ گئے تھے بلا اجازت اورنگ زیب آگرہ کو چلے گئے ✢

اورنگ زیب اورنگ آباد میں پہنچکر ابھی سوچ رہا تھا کہ کیا کرے کہ اتنے میں اسکے پاس شہزادہ مراد کا خط پہونچا۔ اس میں دارا کے تخت پر قابض ہونے اور بھائیوں سے بدسلوکیاں کرنے کا ذکر کر کے لکھا تھا کہ شجاع نے تو خلاف قرار داد کارروائی شروع کر دی ہے۔ اور اب ہم اور تم ملکر اپنے بچاؤ کا بندوبست کریں۔ اورنگ زیب نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اور مراد کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ابتک اس نے مراد یا شجاع کی طرف کوئی مخالفانہ کارروائی نہیں کی تھی۔ اور باپ کے جیتے جی مخالفانہ کارروائی کرنا برا بھی سمجھتا تھا۔ البتہ دارا کی طرف سے وہ سخت برگشتہ ہو گیا تھا اور اس کی شرارتوں اور تکلیف پہنچانے والی کارروائیوں سے

نہایت تنگ آگیا تھا۔ اسنے خیال کیا کہ دار الخلافہ کو چلنا نہایت مناسب ہوگا
اگر بادشاہ زندہ ہے تو اس کی عیادت ہوجائے گی اور مراد نے بمقتضائے
نادانی جو کارروائیاں کی ہیں اسکے لئے اس کو بادشاہ سے معافی بھی دلوا
دی جاوے گی۔ اور ساتھ ہی باپ کو سمجھا کر آیندہ کے لئے دارا کا بندوبست
کردیا جائیگا۔ اور اگر بادشاہ نے الواقع فوت ہوگیا ہے تو دارا جیسے ملحد کے ہاتھ
سے جو تصوف کے نام سے اسلام کے خلاف بُرا اثر پھیلا رہا ہے ملک کے نکال
لینے کا عمدہ موقع مل جائیگا۔ غرض اورنگ زیب دار الخلافہ کو چلنے کے لئے
تیار ہوگیا اور مراد کو بھی ساتھ شامل کرلیا۔ اس موقع پر ان دو بھائیوں میں جو عہد نامہ
ہوا وہ اورنگ زیب کے مندرجہ ذیل خط میں درج ہے

عہد نامہ کہ بموجب التماس بادشاہزادہ محمد مراد بخش قلمی شد

چون درین ہنگام خجستہ آغاز فرخندہ انجام کہ آوان طلوع نیر سعادت و اقبال
و زمان طلوع صبح عظمت و اجلال ست و شہباز بلند پرواز ہمت جہانکشا در ہوائے
صید مقصود بال کشودہ اعلائے اعلام دین مبین سید المرسلین علیہ من الصلوٰۃ اتمہاد
من التحیات اعمہا وجہ قصد گردیدہ۔ و بتمامی نیت حق طویت مصروف آن ست
کہ بمساعی غازیان ظفر لوا و زور بازوے مجاہدان نصرت انتما خار الحاد و زندقہ
از گلشن ہمیشہ بہار دیار اسلام برافتادہ رئیس الملاحدہ با تباع و احزاب خویش
نیست و نابود شود و گرد تفرقہ بر ساحت احوال ساکنان عرصۂ وسعت آباد ہندوستان
بہشت نشان کہ از میامن جدو جہاد اجداد عظام گردون مقام ما بائے
بمرام فلک احتشام جزاہم اللہ تعالےٰ عن المسلمین خیر الجزا از لوث کفر و شرک
منصفا گشتہ بجوزہ ورز آمدہ و نشیند۔ بر اذیجان برابر اعزو از شد کامگار نامدار

عالی تبار بمقتضائے رائے صواب نما خرد آرائے دولت افزا کہ جبل مواہب
الٰہی ست عمل نمودہ درین مہم عاقبت محمود توفیق موافقت و مرافقت یافتہ بودند۔
و قواعد مواخات و موالات را کہ بروابط عہود و مواثیق استحکام پذیرفتہ بود۔ مجدداً
چنانچہ باید بایمان کثیر الایقان موسس ساختہ باخود مقرر کردہ کہ بعد استیصال
آن دشمن دین و دولت استقرار و انتظام امور سلطنت عزیز بمادہ تویم و فاق و اتفاق
استقامت ورزیدہ ہمین وتیرہ ہمہ وقت و ہمہ جا در ہمہ کار رفیق و شریک
باشند و با دوست ما دوست و با دشمن ما دشمن بودہ در ہیچ حال از مرضیات خاطر
عاطر بیرون نروند۔ و از جملہ ممالک محروسہ موروثی بآن چہ حسب التماس آن عزت التاج
حشمت و کامگاری بایشان واگذاشتہ قانع و خورسند گشتہ افزون طلبی ننمایند
بنابران از روئے شفقت و عاطفت و نظر بر اتیج و تعہد پاس آن نمودہ آنچہ مرقوم
قلم والا رقم مے گردد۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ تا آن زمان کہ ازان برادر حمیدہ اطوار
نیکو خصال خلاف یک جہتی و یک رنگی و حق شناسی بوقوع نیاید۔ اشفاق و
مہربانیہائے ما در بارۂ ایشان روز افزون خواہد شد۔ نفع و ضرر جانبین را یکے
دانستہ در جمیع اوقات شرائط اعانت و امداد و مراسم یگانگی و اتحاد را بابلغ وجہے
مرعی خواہیم داشت و الطاف مزاجے کہ اعم در نسبت بآن عزیز تر از جان مبذول
است پس از حصول مامول و برافتادن ملحد نامقبول بہمان نمط بلکہ بہتر از ان
معمول گشتہ دقیقۂ از دقائق آن مہمل نخواہیم گذاشت۔ و بوفاء و اختیار چنانچہ
سابق مقرر شدہ بود صوبہ لاہور و کابل و کشمیر و ملتان و بھکر و ٹھٹھہ و تمام آن
ضلع را تا ساحل خلیج عمان بآن نامدار والا تبار واگذاشتہ درین باب مضایقہ
را مجال نخواہیم داد۔ بعد فراغ از استیصال ملحد نکوہیدہ مال و قمع خاربن شورہ
فساد و از چارچمن دولت خداداد و ابد اتصال کہ رفاقت و ہمراہی آن تازہ نہال
بوستان سلطنت و اقبال دران کار لازم و ناگزیر ست اگر توقف ایشان را
بدان حدود روانہ نمودہ اصلاً و قطعاً بتاخیر رخصت راضی نخواہیم شد و شرہ بدو عاقبت

محبت و مودت و صداقت و فتوت را از غبار انفاس ارباب غرض کہ اشر الناس اند از صفا نینداختہ جز بہ بہبود دارین و کامیابی نشاتین آں عین الانسان انسان نخواہیم اندیشید۔ در صدق ایں دعوے خدا و رسول مجتبےٰ را گواہ گرفتیم و ایں وثیقہ را بجہت مزید اطمینان و استظہار خاطر آں گرامی برادر بمہر و نقش پنجہ مبارک خود مزین گردانیدیم باید کہ ایشان نیز منطوق آیۂ کریمہ اوفوا بالعہد کان مسؤلا را مطمح نظر سعادت اثر داشتہ در پاس لوازم معاہدت کہ موروث نیکنامی دنیا و آخرت است باقصے الغایات کوشیدہ برین منہج صواب مستقیم باشند و اوضاع پسندیدہ خود را از وصمت تغیر بوجہے کہ شاید صیانت نمودہ گفتۂ ناسخبردان کوتہ اندیش را کہ از غایت دنائت ہمت و رکاکت فطرت جلب منافع ردیہ و تحصیل اغراض فاسدہ خویش بر صلاح حال ما بالنعمت مقدم مے دارند و از انواع طرق در آمدہ باقاویل باطلہ مموہہ ہنگامۂ شورش و فساد را گرم مے سازند۔ و از ال دست اشرار درین جزو زمان بسیار و بے شمار اند۔ بسمع رضا اصغا نکنند۔ و پیوستہ بنور شمع سعادت افروز خرد دوربین و عقل صلاح گزین در مسالک معاشرت سلوک نمودہ این مشعل خورشید ضیا را از باد دم سردان روزگار نگاہ دارند وفقنا اللہ تعالےٰ وایاکم بما یحب ویرضاء واللہ یحق الحق وھو یھدی السبیل*

بعض مورخین خصوصاً یورپین کہتے ہیں کہ اورنگ زیب نے مراد سے وعدہ کیا تھا کہ میں تم کو تمام ہندوستان کا بادشاہ بناؤنگا اور خود مکہ کو چلا جاؤنگا۔ مگر یہ بات صریحاً غلط ہے اس عہد نامہ میں جو ہم نے اوپر درج کیا ہے اس امر کا کہیں ذکر نہیں بلکہ تقسیم ملک صاف و صریح الفاظ میں بیان کی ہوئی ہے*

غرض اورنگ زیب نے اپنے چھوٹے بیٹے محمد معظم کو دکن کی نگرانی پر مقرر کر کے چھبیسویں تاریخ جمادی الآخر سنہ ۱۰۶۷ ہجری مطابق ۶ فروری سنہ ۱۶۵۸ء کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ اورنگ آباد سے برہان پور کی طرف کوچ کیا۔ برہان پور پہنچ کر اورنگ زیب ایک ماہ تک باپ کی بیماری کے متعلق صحیح خبر کے

انتظار میں رہا۔ بلکہ یہاں سے عرضیہ داشتے متضمن عیادت بخدمت
اعلیٰحضرت فرستادند۔ تا یکماہ جواب نیامد و اخبار موحش می رسید۔ اسی مقام
پر عیسیٰ بیگ وکیل اورنگ زیب جس کو دارا نے قید کر لیا تھا اور اب اسکو شاہجہان
نے آزاد کر دیا تھا اورنگ زیب سے آکر ملا۔ اس کی زبانی معلوم ہوا کہ دارا نے
جسونت سنگھ اور قاسم خاں کو شاہزادہ مراد اور شائستہ خاں کی بجائے صوبجات
گجرات اور مالوا کی صوبیداری پر مقرر کر کے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) سوار کے ساتھ
اورنگ زیب اور مراد کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا ہے۔ اور ان کو حکم دیا ہے
کہ ان دونوں بھائیوں کو دارالخلافہ کی طرف آنے نہ دیں چنانچہ اس وقت
وہ اجین میں پہنچ گئے ہیں۔ ماہ مارچ کے اخیر میں اورنگ زیب برہان پور سے
روانہ ہوا اور جسونت سنگھ کی فوج سے دس میل کے فاصلہ پر دریائے نربدا کے
اس پار خیمے لگا دیئے۔ اپریل کے شروع میں شہزادہ مراد بھی حسب قرارداد
آپہنچا۔ قاسم خاں نے کوشش کی کہ مراد کی فوج کو اورنگ زیب کی فوج کے
ساتھ ملنے نہ دے مگر کامیاب نہ ہوا۔ مراد نے اپنی فوج کو چکر دیکر قاسم خاں کی رکاوٹ
سے بچا لیا۔ اورنگ زیب نے ایک برہمن قاصد کی زبانی جسونت سنگھ کے پاس
پیغام بھیجا کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے صرف بادشاہ کی عیادت کے لئے
جا رہے ہیں۔ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ چلو اور اگر یہ منظور نہ ہو تو ہمارا راستہ
چھوڑ دو تاکہ ہم باپ کے پاس چلے جاویں۔ جسونت سنگھ نے اس بات کو منظور
نہ کیا بلکہ الٹا سخت سست الفاظ میں جواب دیا۔ ۲۵ اپریل کو اورنگ زیب کی
فوج دشمن کے سامنے دریا سے پار اتر گئی ادھر سے مراد کی فوج بھی آپہنچی۔
اور دونوں بھائیوں نے مل کر جسونت سنگھ اور قاسم خاں کی فوجوں کو جو تعداد
میں ان کی مجموعی فوج سے بہت زیادہ تھیں شکست فاش دی۔ بعد فتح اورنگ
زیب اجین میں داخل ہوا اور فوج کو آرام دینے کے لئے جو لڑائی اور متواتر سفروں
کے باعث بے حال ہو رہی تھی کچھ دن اسی جگہ ٹھہرنے کی تجویز کی۔ مراد نے صلاح

دی کہ قیام مناسب نہیں جلدی آگرہ میں پہنچنا چاہیئے - مگر اورنگ زیب نے
اس کی رائے کو پسند نہ کیا۔ اور کہا کہ فوج کو آرام دینا ضروری ہے - اور نیز میں نے
دارالخلافہ کے کچھ حالات دریافت کرنے کا انتظام کیا ہے - ان کا انتظار کرنا بھی
لازم ہے - اسی مقام پر اورنگ زیب نے اپنے افسران فوج کو ترقی مناصب اور
انعامات دے کر ان کے حوصلے بڑہائے - اور شاہزادہ مراد کو جو مبارکباد فتح دینے
آیا تھا بہت سا نقد انعام دیا۔

ادہر آگرہ میں شکست کی خبر پہنچنے پر سخت تشویش پھیل گئی - دارا مغلوں پر
جن کی بزدلی سے شاہی فوج کو زک ملی تھی بہت ناراض ہوا۔" اور چونکہ میر جملہ
کی نسبت اسے گمان تھا کہ اورنگ زیب کو اپنی فوج اور روپیہ دے کر وہی اصل
اصول اور بانی مبانی اس تمام فتنہ و فساد کا ہوا ہے - اس لئے قریب تھا کہ اسکے
بیٹے محمد امین خان کو بھی مروا ڈالے اور اس کی بیوی اور بیٹی کو بازاری چکلہ میں
بھیجدے مگر بادشاہ کی فہمائش بلیغ کے باعث آخر کار اس کا جوش غضب
فرو ہوا اور میر جملہ کے اہل و عیال کی عزت اور جان بچ گئی۔" لیکن بیچارے
محمد امین خان کو پھر بھی دو چار روز قید رہنا پڑا - دارا از سر نو بڑی سرگرمی کے ساتھ
دوبارہ لڑائی کا سامان کرنے لگا - شاہجہان یہ سب حالات دیکھ رہا تھا مگر حیران
و مجبور تھا - وہ اپنے ناز پروردہ دارا کی حالت کو بھی جانتا تھا - اور اورنگ زیب
کو بھی خوب پہچانتا تھا - اس نے دارا کو منع کیا کہ اورنگ زیب سے لڑنے کو نجائے
اور وعدہ دیا کہ میں بھائیوں سے تیری مصالحت کرا دونگا - مگر دارا نے اپنی
طاقت اور کثرت فوج کے گھمنڈ میں باپ کی بات کو نہ مانا اور لڑائی پر اصرار
کیا - جب بادشاہ نے دیکھا کہ دارا لڑائی سے باز نہ آئیگا تو اس نے حکم دیا کہ میرا
خیمہ فوج کے آگے لگا دو - میں خود اس لڑائی میں شامل ہونگا - اور مطلب اسکا
یہ تھا کہ جب اورنگ زیب اسکو میدان میں دیکھیگا تو وہ کبھی لڑنے کی جرأت
نہ کریگا - اور اس طرح لڑائی ٹل جائیگی - شاہجہان کی یہ رائے نہایت معقول

بھی مگر دارا نے باپ کو اس کارروائی سے روکنا چاہا اور جب دیکھا کہ وہ اس کی بات نہیں مانتا تو اپنے حکم سے باپ کے خیمہ کو میدان سے اٹھوا دیا۔ اور بادشاہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ جب شاہجہان نے دیکھا کہ دارا اپنی ہٹ سے باز نہیں آتا تو اس نے پھر اس کو بلا بھیجا اور نصیحت کی کہ لڑائی شروع کرنے میں جلدی نہ کرنا۔ سلیمان شکوہ کے آنے تک ضرور صبر کرنا۔ اسکے ساتھ اول درجہ کی بہادر اور تجربہ کار سپاہ ہے جب وہ آجائے تو دونو ملکر اورنگ زیب کے مقابلہ میں جانا۔ دارا نے اس بات کو سن تو لیا مگر دل سے نہ مانا۔ اور اس خیال سے کہ اگر سلیمان آگیا تو لوگ فتح کو اس کی طرف منسوب کرینگے اسکے آنے کا مطلقاً انتظار نہ کیا۔ ایک لاکھ فوج اور ایک ہزار توپ لے کر آگرہ سے روانہ ہوا اور دریائے چنبل کے کنارے آگرہ سے ۲ میل دور ایک پہاڑی پر اپنی فوج کو جما دیا۔ اور گذر دریا کو اپنے قبضہ میں کر کے جا بجا توپیں لگا دیں +

دارا کو آئے ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ اُدھر سے اورنگ زیب بھی آپہنچا۔ اور یکم جون کو بادشاہی فوج کے سامنے دریا کے اس پار خیمے لگا دیئے۔ اورنگ زیب کو دشمن کی فوج اور جگہ کا انداز کرنے سے معلوم ہوا کہ دریا سے پار اترنا سخت مشکل کام ہے۔ اس کے پاس مراد کی فوج ملا کر کل چالیس ہزار جوان تھے۔ اور وہ بھی لمبے سفروں۔ اور گرمی اور ماہ رمضان کے روزوں کے مارے بیحال ہو رہے تھے۔ مگر اس نے دیکھا کہ دیر میں بھی نقصان ہے۔ شہزادہ سلیمان شکوہ فوج جرار کے ساتھ بعجلت تمام باپ کی مدد کو آرہا ہے۔ اگر اس کی فوج لڑائی سے پہلے آگئی۔ تو پھر لڑائی کیسی۔ جان بچا کر بھاگنا پڑیگا۔ اورنگ زیب کو بڑا تردد پیدا ہو گیا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ مراد کی مرضی تھی کہ دشمن کی فوج کو چیر کر نکل جانا چاہیئے۔ مگر یہ بات ناممکن نہیں تو سخت مشکل اور خطرناک تھی آخر یہاں پر بھی اورنگ زیب کی تدبیر نے کام دیا۔ اسنے جاسوسوں کے ذریعے معلوم کر لیا کہ تیس میل کے فاصلہ پر دریا پایاب عبور ہو سکتا ہے۔ اسی وقت تمام

ڈیرے اور خیمے دشمن کو بہکانے کے لیئے اپنی جگہ چھوڑ ساری فوج کو تیس میل کا چکر دے ۲ جون کو راتوں رات دریا پار ہو گیا۔ اور سیدھا آگرہ کا رخ کر دیا دریا پار ہو کر اس نے باپ کی خدمت میں ایک عرضداشت ارسال کی اور ایک خط جعفر خان وزیر کو لکھا ۔

اس عرضداشت اور خط کا مضمون ایک ہی تھا۔ ان میں پہلے تو جو تازہ زیادتیاں دارا نے اورنگ زیب کے حق میں کی تھیں مجملاً مذکور تھیں اور بعد میں لکھا تھا کہ اگر دارا کچھ مدت کے لیئے پنجاب کی طرف جو اس کی جاگیر میں ہے چلا جاوے تو معاملہ طول نہ کھینچیگا۔ اور جب ارشاد اعلےٰ حضرت عمل میں آئیگا ہو گا ۔

جعفر خاں کی طرف جو خط لکھا گیا تھا ہم اسے ذیل میں نقل کرتے ہیں ۔

رکن السلطنت العلیہ موتمن الدولۃ الہیہ منتجۂ امراے عظام رفیع المکان سلالۂ خوانین کرام عظیم الشان بیکران ہسبط الطاف بے پایان المخصوص بمزید الاحسان خان سعادت نشان جملۃ الملکی مدار المہامی جعفر خاں بتوجہات خاص اختصاص یافتہ معلوم نمایند کہ چون مطمح نظر دور بین ما آن ست کہ غبار شورش و آشوب از ممالک محروسۂ بادشاہی مرتفع شدہ وسپاہ و رعیت کہ از ظہور بعض امور تفرقہ و پریشانی بحال آنہا راہ یافتہ بآئین پیشین در سایۂ مرحمت اعلےٰ حضرت ظل الٰہی بیاسایند و ستیزۂ پرخاش بجاے نرسد کہ مملکت موروثی خراب مطلق گشتہ بے سیر حوادث شود بنا بران استعفاے جرائم اخوان را کہ بحسب بشریت از ایشان سر زدہ بود وجہ قصد ساختہ از برہان پور متوجہ درگاہ جہان پناہ گردیم و برادر برخوردار نامدار کامگار را کہ از گجرات برآمدہ داخل حدود مالوا شدہ بود ہمراہ گرفتہ می خواستیم کہ بسرعت ہر چہ تمامتر خود را بحضور پر نور رسانیدہ از دریافت سعادت ملازمت کامیاب شویم۔ چون بعد وصول بہفت کروہے اجین مہاراجہ جسونت سنگھ و قاسم خاں نظر بصلاح دولت ابد مدت نمودہ و تخیلات باطلہ قدم جرات و بے باکی

پیش گذاشته در دو کروہے لشکرِ ظفر اثر بنگاه قرار دادند و فوجہا آراسته محاربه
و مجادله را آماده گردیدند دفع صائل واجب دانسته و برائے پاس مراہم مریدی
اعلیٰحضرت تنبیه آنہا را بر ذمت ہمت لازم شناخته روز جمعه رجب المرجب
باعتضاد تائیدات ایزدی بعزم رزم سوار شده افواج نصرت امتزاج را مرتب
داشته متوجه عرصهٔ نبرد گشتیم و پس از تلاقی فریقین جنگ سخت در پیوسته شیرانِ
بیشه وغا و نہنگانِ لجهٔ ہیجا قریب بر پنج شش ہزار کس را با معظم سردارانِ راجپوتیه
که بمناصب عمده سرفرازی داشتند بضرب شمشیر آبدار آتشبار و زخم تیرِ خانه‌انداز
بدار البوار فرستاده جمعے کثیر را خسته و مجروح بر خاکِ ہلاک انداختند و موے الیہا
را در مشاہدهٔ این حال پاے استقلال از جاے رفته دود حیرت بسر آمد و عنانِ ثبات
و قرار از کف داده نزار و زخم دار با بقیة السیف روے ادبار بوادی فرار نہادند
و بہادرانِ فیروزی قران دست نہب و غارت به بنگاهِ آنہا دراز کرده غنیمت
فراوان برگرفتند. المنة لله تعالےٰ و تقدس که نسیم ظفر و فیروزی از مہب عنایات
ازلی بر پرچم اعلام وافر الاحتشام لشکر اسلام وزیده این قسم فتحے عظیم روی نمود
اکنون بکوچ متواتر روانه صوب مقصد شده امید از کرم عمیم الٰہی چنان داریم که
عنقریب سعادت پاے بوس اقدس روزی شود. لیکن از انجا که بعد وصول
موکبِ عالی بحوالی دار الخلافهٔ اکبرآباد بتحمیل که پادشاہزادهٔ جہان و جہانیان دادا
بھائی جیو اضطرابِ بے فائده بخود راه داده شورش افزاے شوند و بدین تقریب
جمعے دیگر نیز از بندہاے عمده ضایع گردیده این معنے موجب ملالِ طبع مقدس شود
ضرورة ببارگاهِ معلےٰ عرضداشته ایم که اگر درین وقت دادا بھائی را بصوب لاہور
رخصت فرمایند بصلاح دولت و مقتضاے مصلحت اقرب و انسب خواہد بود
ازان رکن السلطنة العظمیٰ که عمده دولتخوانِ بارگاهِ معلےٰ اند لائق چنان ست که
پاس نمکخوارگی ولی النعمت را بر جمیع امور مقدم داشته بلا مداہنت بر طبق معروض ما
خاطر نشانِ اعلیٰحضرت نموده ہمگی سعی مصروفِ آن سازند که این مقدمه صورت

یافتہ موجب آرامش بلاد و آسایشِ عباد شود والا آنچہ قلم تقدیر بران رفتہ از پردۂ غیب بمنصۂ ظہور جلوہ گر گردیدہ عبرت افزاے ہمگنان خواہد شد مہربانی ما را نسبت بخود روز افزون شناختہ مشتاقِ ملاقات دانند۔ والسلام۔

پیشتر اس کے کہ ان خطوط کا کوئی جواب آوے۔ دارا نے اورنگ زیب کے دریا پار اتر جانے کی خبر پاکر توپخانہ پیچھے چھوڑ دو منزلہ سہ منزلہ کر اپنی فوج کو عالمگیر کی فوج اور دار الخلافہ کے درمیان حائل کر دیا۔ ۴ جون کو خود بھی آپہنچا اور دوسرے دن لڑائی شروع کر دی۔ یہ لڑائی آگرہ سے سولہ میل کے فاصلہ پر مقام سموگڈھ کے قریب ۶ رمضان المبارک سنہ ۱۰۶۹ ہجری مطابق ۵ جون ۱۶۵۸ء کو ہوئی۔ بڑی خونریزی کے بعد دارا کی فوج نے عالمگیر کی فوج کو پس پا کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب کے پاس پانچ سو سواروں سے زیادہ نہ رہے اور باقی سب یا تو مارے گئے یا بھاگ گئے۔ عین اس موقع پر جبکہ دارا کو پوری فتح حاصل ہو چکی تھی دارا گولیوں کی زد کے خوف سے ہاتھی سے اتر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے آدمیوں نے جب خالی ہاتھی کو واپس آتے دیکھا سمجھے کہ دارا مارا گیا ہے۔ یک لخت سب کے سب بھاگ اٹھے۔ دارا نے ہر چند ان کو بلانے کی کوشش کی مگر وہ غلطی کر چکا تھا کسی نے اس کی بات نہ سنی اور میدان اورنگ زیب کے ہاتھ آگیا۔ اگر دارا چند سنٹ اور ہاتھی پر بیٹھا رہتا تو یقیناً فتح اس کی ہوتی۔ مگر اسکے طالع کی نحوست نے اسکو کچھ نہ کرنے دیا۔ اسنے ابتدا ہی سے غلطیاں کرنی شروع کیں۔ باپ کی بات کو نہ مانا۔ بیٹے کا انتظار نہ کیا اور اپنے ہٹ پر قایم رہ کر لڑائی شروع کر دی اور جب استقلال کا وقت آیا فیلبان کی صلاح پر عمل کر کے اپنے آپ کو تباہ اور برباد کر دیا۔

غرض دارا میدان جنگ سے بھاگ کر شام کے قریب آگرہ میں آیا اور بغیر ملنے باپ کے سیدھا اپنے مکان کو چلا گیا۔ شاہجہان نے بلا بھیجا تا آیندہ کے لئے کچھ تجویز کی جاوے لیکن یہ خام رائے باپ کے پاس نہ گیا۔

اور راتوں رات دہلی کو بھاگ گیا ٭

اورنگ زیب فتح کے بعد اسی میدان میں جہاں لڑائی ہوئی تھی اتر پڑا۔ اور پانچ روز تک وہیں رہا۔ وہاں تمام اراکینِ سلطنت اس سے آملے۔ یہانتک کہ وزیر اعظم اور دیوان بھی اس کے پاس چلے آئے۔ اورنگ زیب نے ہر ایک کو علے قدر لیاقت خطابات اور مناصب عطا کئے اور شاہزادہ مراد کو ۲۶ لاکھ روپے انعام دیا۔ ۹ جون کو میدانِ جنگ سے روانہ ہو کر دو کوچ میں آگرہ کے قریب پہنچگیا اور نور منزل نامی باغ میں فروکش ہوا۔ شاہجہان نے اورنگ زیب کی فوج کو قریب آتے دیکھکر قلعہ کا دروازہ بند کرلیا۔ اور فاضل خان نامی امیر کے ہاتھ اورنگ زیب کے اس خط کا جواب جو اس نے دریاے چنبل سے عبور کرنے کے وقت لکھا تھا ارسال کیا۔ اور خواہشِ ملاقات ظاہر کی۔ اورنگ زیب نے اسکے جواب میں نہایت پرجوش الفاظ میں آدابِ فرزندی بجالاکر باپ کی صحت یابی پر بڑی خوشی ظاہر کی۔ اور دارا شکوہ کی بے تدبیریوں کے سبب جو کچھ واقع ہو چکا تھا اس پر نہایت افسوس ظاہر کرکے حاضر ہونے کا وعدہ کیا۔ دوسرے دن اورنگ زیب کی بڑی ہمشیرہ ملکہ جہاں آرا بیگم صاحبہ اورنگ زیب کے پاس آئیں۔ تیسرے دن شاہجہان نے فاضل خان کے ہاتھ ایک بیش قیمت تلوار جس پر **عالمگیر** کندہ تھا اور جو امیر تیمور کے وقت سے اس خاندان کے قبضہ میں چلی آتی تھی اورنگ زیب کے پاس بھیجی۔ اور بڑے اشتیاق کے ساتھ ملاقات کے لئے بلا بھیجا۔ پر ادہر تو وہ اورنگ زیب کو اپنے پاس بلانیکی کوشش کر رہا تھا اور ادہر دارا شکوہ سے ملکر اورنگ زیب کی تخریب کی تجویزیں دوڑا رہا تھا۔ دارا کے دلی کو چلے جانے کے بعد سب سے پہلا کام شاہجہان نے یہ کیا کہ آگرہ کا تمام خزانہ خچروں پر لدوا کر دارا کے پاس دلی میں بھیجدیا۔ اور پھر مہابتخان کو کابل میں۔ شاہ شجاع کو بنگالہ میں۔ اور سلیمان شکوہ۔ راجہ جے سنگھ اور راجہ جسونت سنگھ اور دیگر بڑے بڑے امرا کو خطوط لکھکر دارا کی مدد کے لئے

برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ اورنگ زیب جسکے جاسوس چپہ چپہ پر موجود تھے ان واقعات سے کب تک بیخبر رہ سکتا تھا۔ اسکو ان سب باتوں کا فوراً پتہ لگ گیا اور سب سے بڑھکر شاہجہان کا ایک اپنا دستخطی خط جو دارا کی طرف جارہا تھا اس کے ہاتھ آگیا۔ اس خط میں شاہجہان دارا کو اطلاع دینا چاہتا تھا کہ میں نے اورنگ زیب کو قلعہ میں آنے کے لئے راضی کر لیا ہے۔ تم تیار رہنا جس وقت اس کے قید ہونے کی خبر پہنچے فوراً آگرہ کو چلے آنا۔ اسی قسم کی خبریں محل سرا سے بھی اورنگ زیب تک پاس پہنچیں۔ محلوں میں ملکہ روشن آرا بیگم اورنگ زیب کی ہمشیرہ اس کی طرفدار تھی اور وہ ہمیشہ اورنگ زیب کو ہر ایک امر کی اطلاع دیتی رہتی تھی۔ اس کے پیاموں سے بھی معلوم ہوا کہ شاہجہان اورنگ زیب کو قید کر کے دارا کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ اورنگ زیب کی تسلی کے لئے تمام سپاہیوں کو قلعہ میں سے نکال دیا جاویگا۔ مگر چند تاتاری عورتوں کو جو مردوں سے بھی زیادہ زور آور اور خونخوار ہیں محل کے قریب پوشیدہ رکھا جاویگا تاکہ اورنگ زیب کو قلعہ میں داخل ہوتے ہی پابزنجیر کریں *

جب فاضل خان دوبارہ شاہجہان کا پیغام لے کر آیا اور اس نے اورنگ زیب کو قلعہ میں چلنے کے لئے کہا تو اورنگ زیب نے باپ کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور تمام حالات جو اس وقت تک اسکو معلوم ہوئے تھے فاضل خاں کے روبرو ظاہر کر دیئے۔ فاضل خاں نے اورنگ زیب کو اطمینان دلانے کی کوشش کی۔ مگر اورنگ زیب نے اس کی بات پر اعتبار نہ کیا۔ جب شاہجہان کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے ایک خط اورنگ زیب کے نام لکھ کر فاضل خان اور خلیل اللہ خاں کے ہاتھ روانہ کیا۔ مگر خلیل اللہ خاں نے خلوت میں جا کر کل کچا چٹھا اورنگ زیب کو سنا دیا۔ اور جو جو تجویزیں اور کارروائیاں اورنگ زیب کے برخلاف کی گئی تھیں وہ سب اس کو بتا دیں۔ اورنگ زیب نے خلیل اللہ خاں کو نظر بند کر لیا۔ اور فاضل خاں کی معرفت باپ کو کہلا بھیجا کہ مجھے آں حضرت کی طرف سے اطمینان نہیں ہے۔ اور بعض ایسی

باتین سننے میں آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت مجھکو قید کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا میں فی الحال حاضر خدمت ہونے سے قاصر ہوں۔ اس پر شاہجہان نے ایک اور خط اورنگ زیب کو تحریر کیا جس میں لکھا تھا کہ ہم تو دنیا ترک کر چکے ہیں اور گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر خدا کو یاد کر رہے ہیں۔ اب جس کا جی چاہے سلطنت سنبھال لے۔ خواہ تم خواہ کوئی اور +

اورنگ زیب ایک ہفتہ تک برابر سوچتا رہا کہ اب کیا کرنا چاہیئے ابھی تک اس کا ارادہ یہ تھا کہ دارا کا فساد رفع کر کے باپ کو جسے دارا نے فی الحقیقت معزول کر دیا ہوا تھا تخت پر بٹھا دے اور خود اس کی خدمت میں رہے۔ مگر اب اس نے یہ سوچا کہ اگر عنانِ سلطنت شاہجہان کے ہاتھ میں دی جاوے گی تو دارا ضرور پھر آجائیگا۔ اور خانہ جنگیاں پھر شروع ہو جائینگی اور تمام ملک برباد ہو جاوے گا۔ پس اس نے نظر بحالاتِ مناسب جانا کہ باپ تو جیسا وہ خود کہتا ہے گوشۂ تنہائی اختیار کر ہی چکا ہے اور بیماری کے سبب حکومت کے قابل بھی نہیں رہا۔ بہتر یہی ہے کہ عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی جاوے۔ اور دارا کی ناہنجاریوں کے سبب جو نقصان اس اسلامی سلطنت کو عنقریب پہنچنے والا تھا اس کا انتظام کیا جائے تاکہ باپ دادا کی سلطنت بنی رہے۔ مگر اس نے دیکھا کہ جب تک قلعہ پر قبضہ نہ ہو جائیگا تب تک کوئی کارروائی نہ ہو سکے گی اور فساد رفع نہ ہوگا۔ لہذا اس نے اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان کو قلعہ میں بھیجدیا۔ اس نے قلعہ میں داخل ہوتے ہی جابجا اپنے سپاہی بٹھا دیئے۔ شاہجہان یہ حال دیکھ کر بہت گھبرایا۔ اس نے محمد سلطان کو بلا بھیجا۔ اور جب وہ آیا تو اسے کہا کہ اگر تم ایک دفعہ مجھکو قلعہ کے باہر لے چلو تو میں تم کو تمام ہندوستان کا بادشاہ بنا دونگا۔ مگر محمد سلطان اورنگ زیب کو خوب جانتا تھا۔ ڈر گیا۔ اور دادا کے دم میں نہ آیا۔ شاہجہان نے تیسرے دن قلعہ کی کنجیاں محمد سلطان کے حوالہ کر دیں اور کاروبارِ سلطنت سے علیحدہ ہو گیا +

شاہجہان کچھ دن تک تو اورنگ زیب سے ناراض رہا مگر رفتہ رفتہ اورنگ زیب نے اسے خوش کر لیا۔ تاج شاہی اور تمام جواہرات جو اس کے قبضہ میں تھے لے اورنگ زیب کو دے دئیے اور داراشکوہ کی لڑکی کو اورنگ زیب کے چھوٹے بیٹے محمد اکبر کے ساتھ بیاہ دیا۔ اورنگ زیب بھی باپ کی جب تک وہ زندہ رہا نہایت عزت وتکریم کرتا رہا۔ جس چیز کی اسے ضرورت ہوتی فوراً مہیا کر دیتا۔ اس کے تمام عزیزوں۔ رشتہ داروں۔ اور دوستوں کو اسکے پاس آنے جانے کی اجازت تھی۔ اور کوئی کام جس میں اس کا تعلق ہوتا اس کی صلاح کے بغیر نہ کیا جاتا بلکہ ہر ایک امر میں اورنگ زیب تیمناً اس سے مشورہ کر لیتا۔ آخر سات برس گوشۂ تنہائی میں کاٹ کر ۲۲ رجب ۱۰۷۶ھ ہجری کو شاہجہان اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو انتقال کر گیا +

جب اورنگ زیب کو قلعہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنے ماموں شائستہ خاں کو آگرہ کا گورنر مقرر کر کے دارا کے تعاقب میں دہلی کی طرف کوچ کی تیاری کی۔ مراد ساتھ جانے میں ٹال مٹولے کرنے لگا۔ دارا کی شکست کے بعد وہ خام خیالات پکانے لگا تھا اور اب چاہتا تھا کہ دارالخلافہ میں رہکر اپنے پاؤں جمائے۔ اورنگ زیب اس کو پیچھے کب چھوڑنے لگا تھا۔ باصرار اسے ہمراہ لے چلا۔ مگر مراد کی خام طبعی نے اسے گمراہ کیا ہوا تھا۔ لشکرِ عالمگیر کے ساتھ ساتھ نہ چلتا تھا۔ بلکہ ایک دو کوس پیچھے رہتا تھا۔ جب آگرہ سے نکلے تو مراد کے مشیروں نے اسے ایک چال بتائی۔ چال تھی زبردست۔ مگر مقابلہ تھا اورنگ زیب جیسے ہشیار آدمی سے مراد کی کچھ پیش نہ گئی۔ متھرا کے قریب مراد نے اورنگ زیب کی دعوت کی۔ جب اورنگ زیب اپنے میزبان کے خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا تو شہباز خواجہ سرا نے جو ابتدا سے مراد کا صلاح کار اور مشیر تھا اور جس کی صلاح سے مراد نے گجرات میں اپنے نام کا سکہ وخطبہ جاری کیا تھا مراد کے کان میں آکر کچھ ایسی بات کہی جس سے اورنگ زیب تاڑ گیا کہ اس کو قید کرنے کے سامان ہو رہے ہیں

اس سے پہلے مراد کی طرز و روش سے بھی اورنگ زیب کو کچھ کھٹکا ہو چکا تھا۔ کیونکہ کچھ عرصہ سے اس نے امرا اور سپاہ کو بڑے بڑے انعامات و خطابات دینے شروع کر دیئے تھے اور حد سے زیادہ ان کی دلجوئی میں معروف رہتا تھا۔ اور نیز خود اورنگ زیب سے بھی کچھ اس طرح پیش آنے لگا تھا جو اس کی گذشتہ عادت کے خلاف تھا۔ اورنگ زیب جیسے قیافہ شناس شخص کے لئے ان امور کا فوراً سمجھ لینا کچھ مشکل کام نہ تھا۔ مگر دل میں یہ خیال کبھی پیدا نہ ہوتا تھا کہ مراد اس کو قید کرنے کی جرات کریگا۔ غرض ادھر شاہباز مراد کے کان میں بات کہکر باہر نکلا ادہر اورنگ زیب کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا۔ اور مراد ابھی کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ اورنگ زیب اسی درد کے بہانے (اور اصل میں بہانہ ہی تھا۔ کوئی درد ورد نہ تھا) دروازہ سے باہر نکل اپنے باڈی گارڈ میں شامل ہو گیا۔ کم فہم مراد اس حکمت کو نہ سمجھا۔ اس نے یہی خیال کیا کہ اورنگ زیب حقیقت میں بیمار ہو گیا ہے۔ اورنگ زیب بھی تین روز تک خیمہ سے باہر نہ نکلا۔ چوتھے روز اس نے مراد کو دعوت کے بہانے بلا بھیجا۔ اور رات کے وقت جب وہ شراب کے نشہ میں بیہوش ہو گیا تو اس کو اور بانی فساد شہباز کو قید کر لیا۔ اور مراد کے امیر اور سپاہ عالمگیر کے ساتھ شامل ہو گئے۔

اورنگ زیب دارا کے تعاقب میں دلی پہنچا اور پھر وہاں سے لاہور کو روانہ ہوا۔ یہاں دارا نے آدمی اور روپیہ جمع کرنے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے تھے لیکن اورنگ زیب کی خوش طالعی نے اس کی کچھ بھی پیش نہ جانے دی۔ دارا ملتان کو بھاگ گیا۔ مگر اورنگ زیب کے مستعدانہ تعاقب نے وہاں بھی پاؤں نہ جمنے دئے۔ اورنگ زیب جس چستی و چالاکی سے اس مہم میں کام کرتا تھا۔ اس کی کچھ تعریف نہیں ہو سکتی۔ یعنی اگرچہ موسم نہایت گرم تھا۔ لیکن اس کی فوج رات دن برابر کوچ کرتی تھی اور وہ خود سپاہ کی ہمت اور جرات بڑھانے کے لئے صرف چند آدمیوں کے ساتھ اکثر چار پانچ کوس فوج

سے آگے رہتا تھا اور ایک ادنے سپاہی کے مانند بُرے جلے پانی اور روکھی سوکھی روٹی پر قناعت کرکے رات کو پلنگ اور امیرانہ فرش فروش کے بغیر صرف زمین پر بستر جما کر لیٹ رہتا تھا"۔ ملتان سے اورنگ زیب شجاع سے مقابلہ کے لئے ہندوستان کو واپس آیا۔ دارا بھکر۔ سندھ۔ گجرات میں پھرتا ہوا احمدآباد کو بھاگا۔ اور وہاں سے کچھ۔ اور کچھ سے بھکر کو نکل گیا۔ کسی شہر میں اسے بہتری کی صورت نظر نہ آئی۔ دوستوں نے ایران چلنے کا مشورہ دیا لیکن اس خودرائے نے بہی خواہوں کی ایک نہ سنی۔ اچھے اچھے خیرخواہ الگ ہوتے گئے۔ اور دارا ملک جیون زمیندار داندر کے علاقہ میں پہنچا۔ انہی دنوں میں نادرہ بیگم زوجۂ دارا کا انتقال ہوگیا۔ اسکے تابوت کو ناعاقبت اندیشی سے "ہمراہِ گل محمد کہ ہمان رفیق شفیقِ روزِ بیکسی وسپاہی با اخلاص بود و راضی بجدا گردن نمیگردید و خواجہ مقبول کہ وجودِ رفاقتِ او نیز با چند نفر معدود غنیمت بود روانہ لاہور ساختہ کہ در مقبرۂ شاہِ میر بردہ مدفون سازند وخود با چند خدمتگار و خواجہ سرای ناکام ماند"۔ ملک جیون نے موقع پاکر دارا کو قید کرلیا اور راجہ جے سنگھ و بہادر خاں کو کہ کو جو اجمیر سے تعاقب دارا کے لئے مقرر ہوئے تھے اطلاع دی۔ وسطِ ماہِ ذی الحجہ سنہ ۶۹ ہجری میں بہادر خاں دارا شکوہ اور سپہر شکوہ کو حضور میں لے آیا۔

آخر ذی الحجہ میں حسبِ قرار داد مجلس شوریٰ کے وفتوے شرعی دارا مروادیا گیا۔ اس کی لاش مقبرۂ ہمایوں میں دفن کی گئی۔ اور سپہر شکوہ کی نسبت حکم ہوا کہ قلعۂ گوالیار میں رہے۔

سلیمان شکوہ یازدہم جمادی الاول سنہ ۷۰ ہجری کو بحالتِ گرفتاری حضور میں پہنچا۔ عالمگیر بڑی شفقت سے اسکے پیش آیا اور اس کی خطابخشی کرکے امانِ جان کا وعدہ دیا۔ اور قلعۂ گوالیار میں بھیجدیا۔

شجاع سے اورنگ زیب کو پہلے سے الفت تھی اور وہ عہد مصادقت او مواثیقِ یگانگی درمیان لایا کرتا تھا۔ جب اورنگ زیب دارا کو پہلی دفعہ شکست

دبے کر آگرہ میں داخل ہوا سب سے پہلے اس نے یہ کیا کہ مونگیر، بہار، اور پٹنہ جنکی ہمیشہ شجاع کو آرزو ہی رہی تھی اور کبھی پوری نہ ہوئی تھی ضمیمہ بنگالہ کر دیئے اور فرمان تفویض ولایت مذکور بڑی کوشش سے شاہجہان سے حاصل کر کے شجاع کے نام بھیجدیا۔ اس کے بعد اورنگ زیب شجاع سے بکمال محبت و مہربانی کرتا رہا لیکن ناعاقبت اندیش شجاع دارا کے دم میں آگیا۔ خانمان آوارہ دارا نے اسے لکھا کہ عالمگیر پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد سلطنت کو نصفا نصف کر لینگے۔ تم بنگالہ کی طرف سے دار الخلافہ پر حملہ کرو۔ شجاع لالچ میں آکر الہ آباد۔ بنارس۔ اور جونپور پر حملہ آور ہوا۔ اور ان شہروں کو دارا کے آدمیوں کی سازش سے جو وہاں تھے اپنے قبضہ میں لے آیا۔ عالمگیر اب بھی اغماض کرنا چاہتا تھا۔ شجاع سے لڑنا اسے منظور نہ تھا۔ موعظت نامے لکھے۔ لیکن شجاع کو آدھی سلطنت کا نشہ جو تھا۔ اس نے شجاع کو مہربان بھائی کی ایک نصیحت بھی گوش ہوش سے نہ سننے دی۔ ناچار موضع کھجوہ کے قریب بھائیوں میں لڑائی ہوئی۔ اور شجاع کو شکست فاش ہوئی۔ شاہزادہ محمد سلطان شجاع کے تعاقب میں روانہ کیا گیا تاکہ احسان فراموش کو بنگالہ سے پرے نکالدے۔ میر جملہ کو بھی بھیجا گیا۔ آخرکار شجاع بنگالہ سے پرے نکالدیا گیا اور پھر اسکا کچھ پتہ نہ لگا۔ مشہور ہے کہ آسام میں مارا گیا۔

شجاع کی شکست کے بعد مراد کو جو اب تک دلی کے قلعہ میں تھا وہاں سے نکلوا کر گوالیار بھیجدیا گیا۔ لیکن کچھ دن بعد اس نے قلعہ سے بھاگنے کی کوشش کی قلعہ سے باہر نکل آیا تھا کہ پہرہ والے ہشیار ہو گئے اور مراد پکڑا گیا۔ اس پر اورنگ زیب نے اسے مروا ڈالا۔

راجپوت

سات سو برس سے زیادہ نہیں گذرے کہ سلطان شہاب الدین محمد غوری نے

تلاوڑی کی ہزیمت سے غیرت کے جوش میں آکر راجپوتوں کی مجموعی فوجوں کو دوسرے سال ہی شکست دی اور دہلی میں اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ سلطان شہاب الدین کے جانشین افغان فرماں رواؤں کے عہد میں مسلمان ہند میں جابجا پھیل گئے۔ اور ان کے فتح یاب جرنیلوں کی یورشوں نے کل ملک کو کشمیر سے راس کماری تک۔ اور کابل۔ قندہار۔ سندھ سے لے کر بنگال۔ بہار اڑیسہ تک پامال کر کے ہندوستان کی تاریخ میں سلسلۂ حکومت کا ایک نیا ورق الٹ دیا۔ اور مسلمانوں کو شجاعت کے جوہر دکھانے اور قسمت آزمائی کے لئے ایک وسیع سرسبز لاثانی مملکت دی۔ راجپوتوں نے جو اسلامی سلطنت کے ہند میں قائم ہونے سے پہلے فرمانروایانِ ہند تھے ایک ایک انچ زمین پر جانیں قربان کیں۔ لیکن فتح نصیب مسلمانوں کے سامنے ان کی ایک پیش نہ گئی۔ اور حکومت کو جو خدا جانے کئی ہزار سال سے راجپوتوں کی خانہ زاد لونڈی تھی۔ آخر بزورِ شمشیر ان سے جدائی اختیار کرنی پڑی اور باستثناء ایک یا دو راجپوت ریاستوں کے کل راجپوت راجا سلطنت دہلی کے باجگذار ہو گئے ؁

سنہ ۹۳۲ھ میں جب سلطان بابر ہند پر حملہ آور ہوا۔ افغانوں کی خانہ جنگیوں نے کمزور کر دیا تھا۔ مغلیہ فوجیں کامیاب ہوئیں اور بابر ہند کی باقتدار مغلیہ سلطنت کا بانی ہوا۔ بابر کی وفات کے بعد ہمایوں کو افغانوں نے آرام نہ لینے دیا۔ اور ایک دفعہ موقع پا کر اس بیچارے کو ہند سے باہر نکال دیا۔ لیکن مشیتِ ایزدی کو منظور تھا کہ ہمایوں مغلوب کی اولاد اسی ہند میں جہاں سے وہ بیسروسامان نکال دیا گیا تھا وہ جاہ و جلال حاصل کرے جس کی مثال تختۂ روزگار پر شاذ ہو۔ ہمایوں کو ایران سے مدد ملی۔ ہند میں پھر آیا اور وراثتِ جدی پر قابض ہو گیا۔ ہمایوں کی قسمت کچھ ایسی زبردست نہ تھی۔ اس دفعہ عمر نے وفا نہ کی۔ بام سے گر کر راہی ملکِ بقا ہوا اکبر باپ کی وفات کے وقت کلانور کے قریب تھا۔ خبر پہنچنے پر اس کے اتالیق بیرم خاں نے مصلحتِ وقت کو مدِ نظر رکھ کر اکبر کو کلانور میں ہی تخت نشین

کردیا ✦

ہندوستان جیسے ملک کی سلطنت چھن جانیکا خار، افغانوں کے دل میں کھٹکتا تھا۔ اور اس کی خلش ان ویرہیریات کو نیند اور دن کو آرام نہ لینے دیتی تھی۔ وارث تخت و تاج کو کم سن پاکر افغان لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے اور افغانی فوجیں ہمایوں کے مفتوحہ ملک پر ایک سرے سے قابض ہوتی پایہ تخت تک بے روک ٹوک چلی آئیں۔ اکبر ان دنوں میں بارہ تیرہ سال سے زیادہ عمر کا نہ تھا ایک پرشورش سلطنت کا بوجھ یک لخت اس کے ننھے سے سر پر آپڑا۔ گھبرایا۔ اور امرا بھی غنیم کے سپہ سالار ہیموڈھوسر کی کامیابیوں سے دل باختہ ہونے لگے۔ دلی کے شاہی قلعہ ار کی نامردی اور ہیمو کے دارالخلافہ پر قابض ہو جانے سے امیروں کے رہے سہے حوصلے توڑ دیئے اور انہوں نے اکبر کو ہندوستان خالی کر دینے کی ترغیب دینی شروع کی۔ بیرم خاں کو خدا عزوجل نے رائے صائب اور دل جری عنایت کئے تھے۔ جب اکبر کے کل سپہ سالار اور دیگر مشیر حیص بیص کر رہے تھے۔ بیرم خاں نے ایک ریزولیوشن سے اکبر کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ اٹھ کھڑا ہوا اور اکبر کو ساتھ لے امیروں کو ڈانٹا پچکارتا ہیموں کے مقابلہ میں آجما اور اکبر کی خوش طالعی کی مدد سے فوج غنیم کو شکست فاش دی۔ بیرم خاں کی بہادری اور تدبیر نے اکبر کو باپ دادا کے تخت پر بٹھایا اور اس کی لیاقت اور وفاداری نے اکبر کی سلطنت عظمےٰ کی بنیاد قائم کی۔ بیرم خاں کے ان احسانات نے اکبر کو اس کا گرویدہ کر دیا اور مہمات سلطنت کے نظم نسق میں بیرم خاں کو اختیار کلی حاصل ہو گیا ✦

بیرم خاں بے دھڑک سپاہی قدرے سخت گیر اور مذہب کا شیعہ تھا۔ اس کے رسوخ اور اس کی سخت گیری سے دیگر امرا ناراض ہو گئے اور اسکے اقتدار کو جو دیکھ نہ سکتے تھے اسکی بربادی کے درپے ہوئے۔ اکبر بوجہ اپنی ناتجربہ کاری کے ربط و ضبط امرا میں کچھ ایسا کامیاب نہ ہوا۔ اسکے ہمقوم وزرا و امرا جنبہ داری

اور چھوٹ کے مرض میں مبتلا مذہب کی آڑ میں بغض و حسد کو جگہ دے کر پارٹی سپرٹ
کی آگ چاروں طرف لگانے میں دن رات مصروف تھے۔ اس آگ نے بیرم خان
کی کل امیدیں جلا کر خاک میں ملا دیں اور اکبر نے اس کی دل شکنی کر کے سلطنت کو
اس کی خدمات حسنہ سے محروم کر دیا۔ بیرم کی علیٰحدگی نے امرا کے باہمی تعلقات
پر بہت کم اثر ڈالا۔ کدورتیں صاف اور بغض و عناد دور نہوئے۔ عمالِ صوبجات
دربار کے قدم بقدم چلتے تھے اور دربار میں جو چالیں ہوتیں ان کا اثر دور دور تک
ظہور میں آتا تھا۔ آج ایک گورنر نے بغاوت کی اور کل دوسرا سرکش ہوگیا۔ امرا کی
اِن باہمی رنجشوں اور بدعملیوں نے اکبر کی قومی طاقت کو بڑا صدمہ پہنچایا۔ ارکان
دولت کی خودسری اور باہمی کینہ پروری سے استحکام سلطنت تو کجا۔ قیام سلطنت
بھی محال نظر آتا تھا ÷

فاتحوں کے باہمی تعلقات تو ایسے برے اور افغان جنکے زخم ابھی ہرے تھے
اکبر اور اسکے امرا کے خون کے پیاسے سلطنت پر ذانت مارنے کو ہر وقت طیار
بیٹھے تھے۔ تین سو سال تک انہوں نے ہند پر سلطنت کی تھی اور جب اس سلطنت
کے عیش و آرام۔ شان و حکومت۔ مالامالی و فراغبالی۔ انہیں یاد آتی تھیں۔ ان
سینہ پر سانپ سا لوٹ جاتا تھا۔ کیا دن اور کیا رات۔ ہر دم تخریبِ خاندان مغلیہ
ان کا مدعا تھا۔ ان کی خواہشیں۔ ان کی دعائیں۔ ان کی آہیں اسی ایک خیال سے
آلودہ تھیں۔ گذشتہ واقعات۔ موجودہ حالات۔ اور آیندہ کے خیالات ان کی
ضایع کردہ عظمت کو یاد دلا کر ان کے حریفوں کی طرف سے انکے دلوں میں دشمنی
کی آگ بھڑکاتے تھے۔ جہانتک ان کی طاقت میں تھا وہ مغلیہ سلطنت میں
بیرونی حملوں اور اندرونی بغاوتوں سے فساد ڈالتے تھے ÷

ادہر راجپوت جو مسلمانوں سے پہلے ہند کے مالک اور فرمانروا تھے
اپنے ملک۔ مال۔ جان۔ اور ناموس کو مسلمانوں کے ہاتھ میں دیکھکر دل ہی دل میں
کراہتے اور شب و روز اسی تاڑ میں تھے کہ اگر موقع ملے تو ملیچھوں کو اپنی مقدس

وراثت سے دھکیل کر نکال دیں اور اگر بس چلے تو دشمنوں کی ایک جان تک باہر سلامت نہ جانے دیں +

دو اسلامی قوموں کی مٹ بھیڑ نے جو ۱۵۲۶ء میں ہند کی سرزمین پر ہوئی۔ راجپوتوں کے خیالات پر ایک نیا اثر ڈالا۔ اب وہ سوچتے تھے کہ بے سرو ردی ان کے دشمن آپس میں ہی کٹ کر مر جائینگے۔ اور ان کے جدی ملک کو جس کے حاصل کرنے میں وہ صدیوں سے سسک رہے تھے ایک نعمت غیر مترقبہ کی صورت میں خود بخود ان کے حوالے کر جائینگے۔ صدہا سال کی محکومیت سے شجاعت راجپوتوں میں زائل ہو رہی تھی۔ ان میں اب اتنی جرأت بھی نہ تھی کہ ان دو زبردست قوموں یعنی افغانوں اور مغلوں کے باہمی تنازعات میں وہ کچھ حصہ لیں۔ یا قوم حکمران کے اراکین جو ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مصروف تھے اس میں شریک ہوں۔ یہ اپنی شاخ امید کی بارور ہونے کے انتظار میں چپکے بیٹھے تھے کہ اکبر کے ابر شفقت نے انہیں نونہال کر دیا +

مصیبت آدمی کو پکا کر دیتی ہے۔ اکبر اگرچہ خورد سال تھا چھوٹی سی عمر میں مصیبتیں جو آ پڑیں۔ تجربہ سے ہوشیار ہو گیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے تاج بلکہ اس کے سر کی خیر اسی میں ہے کہ وہ ان پر شورش متضاد اقوام میں سے جو ان دنوں ہند میں آباد تھیں اپنے خیر خواہ پیدا کرے۔ اِنِ ابْتَلَیْتُمْ بِبَلِیَّتَیْنِ فَاخْتَارُوا اَهْوَنَهُمَا۔ اس کی نظر راجپوتوں پر پڑی۔ اسنے دل ہی دل میں استدلال کیا کہ اس قوم کا ذاتی جوہر بہادری ہے۔ سالہا سال کے غیر قوم کے بھاری جوئے نے ان کی گردنیں جھکا دی ہیں۔ اور انکے جوش مردانگی کو سرد کر دیا ہے۔ لیکن اگر اب بھی وہ جوا ہلکا کیا جاوے تو ان کی گردنیں سیدھی ہو جائینگی اور ان کا پہلا جوش پھر پہلے کی طرح ہی غنیم کو جلا کر راکھ کر دینے میں بھبوکا کا کام دیگا۔ افغانوں سے موافقت اسے دشوار معلوم دیتی تھی۔ ان سے زخم تازے تھے۔ راجپوت ایک تو مغلوں سے ایسے ناراض نہ ہو سکتے تھے کیونکہ مغلوں نے افغانوں سے ملک

پھنسا تھا۔ راجپوتوں سے۔ دوسرے راجپوت صدیوں سے مغلوب چلے آ رہے تھے۔
اکبر نے سوچا کہ اب اگر ان کی دستگیری کی گئی تو وہ ممنون بھی ہونگے +

اکبر نے محض دفع الوقتی کے اغراض سے راجپوتوں کو سلطنت میں حصہ دینے کی تدبیر سوچی تھی۔ لیکن اس کے منہ چڑھے مشیروں ابوالفضل و فیضی کو مسلمانوں سے خاص وجہ عناد تھی۔ انکے باوا مبارک کے غیر مشروع خیالات و حرکات کی پاداش نے فتاوے کی گولی بارود سے خوب آؤ بھگت کی تھی۔ ان کے اپنے مذہبی خیالات بھی اسلام اور کفر کی بین بین ہی تھے۔ اسلام کا زبردست گنڈا ان کی نازک طبیعتوں کے لئے بہت بھاری تھا۔ ان وجوہات سے مسلمانوں کی تذلیل اور اسلام سے آزادی جو انہیں مقصود تھی۔ بادشاہ کو بلطائف الحیل مذہبی آزادی کا چسکا دے کر اسکے راجپوتوں سے بے جا رابطہ و اتحاد بڑھانے میں انہوں نے بہت مدد دی +

اکبر نے یہ دیکھکر کہ گھر میں فساد ہے۔ دشمن ظالم۔ جری۔ اور ہر وقت درپے کیں ہے۔ راجپوتوں کو گانٹھنا شروع کیا۔ اور حصول مدعا کے لئے اسلام کو خیرباد کہنے کا سریع التاثیر نسخہ مجوزۂ ابوالفضل و فیضی برتا۔ اکبر اور اسکے گرد ابوالفضل کا ایجاد نسخۂ دینِ الٰہی ہندوں کے مزاج کے موافق لیکن مسلمانوں کو بہت ناگوار تھا۔ اپنے سنئے ہمدموں کی خوشی کے لئے بادشاہ نے ہجری سنہ اور عربی مہینوں کا استعمال سرکاری دفتروں سے اٹھا دیا۔ اور عربی و فارسی کی تعلیم بند کر دی۔ اسلامی ناموں سے نفرت ظاہر کی۔ مسجدیں گرائیں۔ فقہ و حدیث کی پڑھنے کی قطعی ممانعت کر دی۔ سلام علیک کی جگہ اللہ اکبر اور وعلیک السلام کی بجائے جل جلالہ مقرر ہوا۔ ڈاڑھی والے کو دربار میں آنے سے روکدیا۔ اور سجدہ مروج کیا۔ مسلمانوں کی اس درجہ کی تذلیل و تحقیر پر بھی اکتفا نہ کرکے احکام اسلام کے برخلاف فرمان جاری کئے۔ اور مسلمانوں اور اسلام کو ذلیل کرنے کی غرض سے منہیات کی اجازت دی۔ اور سنتِ نبوی کی تعمیل میں رکاوٹیں پیدا کر دیں +

نے اپنا اثر دکھایا اور راجپوتوں نے ملنے جلنے کا تو کیا ذکر ہے مسلمانوں کو اعلیٰ ... یاں دینی شروع کردیں - اعلےٰ عہدے راجپوتوں کو دیئے گئے - دن بدن ان کا ... بڑھتا گیا - اور آخرکار امور مملکت مغلیہ میں راجپوتیہ دخل اپنا اثر دکھانے لگا -

... جو مدتِ مدید کی مغلوبیت سے دبے ہوئے تھے اب جو سلطنتِ عالیہ ... ہوا لینے لگے انکی آنکھیں کھل گئیں - اپنا جدی ملک جو صدہا سال ہوئے تھے ... ان سے چھینا گیا تھا بزورِ تدبیر و تدویر اپنے قابو میں لانے کی فکر میں پڑے ... کے بڑے بڑے کاموں میں دخیل ہونے سے راجپوتوں کو اپنے دل کے بخار ... خوب موقعہ ملا - اور شاہی خاندان میں جسے وہ باوجود خود اس کا وظیفہ خوار ... اپنا دشمن اور غاصب ملک سمجھتے تھے پھوٹ ڈالنے کی تدبیریں کرنے لگے -

یہ ایک مسلم امر ہے کہ غیر قوم کو امورِ سلطنت میں دخل دینے کی پالیسی دنیا بھر کی ... اسلامی سلطنتوں کے زوال کا باعث ہوئی ہے - اور یہ کچھ عجیب بات نہیں ... ہندوستان کی سلطنت مغلیہ اس مادۂ فساد سے بچی نہ رہی ::

ایک انگریزی مورخ نے لکھا ہے کہ بیٹوں کا باپ سے باغی ہونا تیمور کے خاندان پر خدا کی طرف سے پھٹکار تھی - غور سے دیکھنے پر یہ بغاوتیں اکبر کی پالیسی کا نتیجہ نظر آئینگی - راجپوت یہانتک دلیر ہوگئے تھے کہ خود اکبر کے زمانہ میں جس نے انہیں خاک مذلت سے اٹھاکر اپنی حکومت کا زبردست بازو بنانے کی کوشش کی تھی اور جس کے ساتھ لڑنے مرنے کو ان کا ہر وقت مستعد ہونا بیان کیا جاتا ہے - جہانگیر نے ان کی مدد سے علم طغیان بلند کیا اور مانسنگھ جیسے نے خسرو جہانگیر کے لڑکے کو باپ کے برخلاف اکسایا کیونکہ خسرو اس کا نواسا تھا اور وہ اسے تخت پر بٹھانا چاہتا تھا - یہ بغاوتیں تو اکبر کے جیتے جی ہوئیں - جب اکبر مرگیا خسرو نے پھر بڑے زور شور سے بتائید مانسنگھ بغاوت کی - شاہزادہ جہانگیر اور شاہزادۂ خرم کی بغاوتوں میں بھی راجپوتوں نے بہت ساحصہ لیا اور دارا شکوہ کو باپ سے باغی ہونے کے وقت اور بھائیوں سے مقابلہ و مقاتلہ کرنے میں راجپوتوں کا بڑا سہارا تھا اور انہی کی ترغیب تھی - شاہجہان ہرچند منع

کرتا رہا۔ مگر دارا شکوہ نے رائو ستر سال اور رام سنگھ کے اغوا سے اپنے باپ ادب جو رہے تھے
کی ایک نہ سنی۔ بلکہ باپ اور خیرخواہ امرا کی بے بہا نصیحتوں کو نفاق پر محمول کر کے
کہا تھا کہ من عنقریب ایں کوتہ پائچہ ہا را (یعنے شرعی پائچوں والے مسلمان امیرون کو سمہ دیئے
دار (دلی) ستر سال خواہم دوانید" •
ایسی سرکشیوں کا نتیجہ ضعفِ سلطنت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے یہی
اور یہی راجپوتوں کا مدعا تھا •
پہلے مسلمان مغل ہو یا پٹھان۔ راجپوتوں کے لئے ایک ڈراونا نام تھا
شہاب الدین غوری۔ علاء الدین خلجی۔ اور بابر کے نام اب تک انہیں یاد تھے۔
مصیبتیں یاد دلانے والے تھے۔ راجپوت جان توڑ کر مسلمانوں کا مقابلہ کر چکے
اور برنج و غم قائل ہو چکے تھے کہ میدانِ جنگ میں مسلمان ان سے افضل ہیں۔
اور مسلمانوں کے رسوم معاشرت بھی مسلمانوں کی فضیلت انکے محکومین کے
میں قائم رکھنے کے لئے بہت مفید ثابت ہوئیں۔ اکثر میل جول سے انسان کی
کم اور کمزوریاں زیادہ نظر آتی ہیں۔ باہمی ملاپ سے وقار و عظمت دور ہو جاتے ہیں
حاکم و محکوم کا الگ الگ رہنا سیاست کے لئے مفید بلکہ ضروری ہے۔
حکومت کی جان ہے •
اکبر نے ان اصولوں کو نظر انداز کر کے راجپوتوں سے بیجا تعلقات پیدا کئے۔
اور دھوکا کھایا۔ اس کی پالیسی سے راجپوت رانیاں محلاتِ شاہی میں گھسیں اور
ان کے بطن سے شہزادے پیدا ہوئے جو یا تو خود تخت نشین ہوتے یا تخت نشینوں
کے بھائی۔ مغلیہ شاہان ہند یا شاہزادگان ہند جنکے نام سے لوگ تھر تھر کانپتے
تھے ان کا رعب ان کے راجپوت نانا اور اسکے لواحقین کے دلوں میں خاک بھی
نہ رہا۔ وہی شاہزادے جو ایک مدت کے بعد ہند کے فرمانروا ہوتے راجپوت
راجاؤں کے ہاں بیاہنے جاتے اور تعلق دامادی ہیبت حکومت کو بالکل نیست
و نابود کر دیتا تھا •

اکبر کی یہ پالیسی رعایائے ہند کے لئے تو ضرور مفید ہونی چاہیے تھی اور ہوئی۔ اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ محکومین کے دل سے حکومت کا رعب بالکل اٹھ گیا اور زیادہ بغی و فساد روز بروز ترقی پکڑتا گیا۔ رعایا کی سرزوری بڑھنے لگی۔ اور محکومین کو اپنے حقوق۔ اصلی اور خیالی۔ جائز اور ناجائز۔ وسائل سے حاصل کرنے کا خوب موقع ہاتھ آیا۔ اکبر نے محض راجپوتوں کو گانٹھنے کے لئے مسلمانوں کے حق میں اس قدر بدا طواریاں اور راجپوتوں کی خاطرداریاں بھی کیں۔ لیکن راجپوت غیر قوم کی حکومت کب گوارا کر سکتے تھے۔ اکبر خود بھی راجپوتوں سے ساری عمر لڑتا رہا اور شاہجہان اور جہانگیر بھی قوم راجپوت سے امن میں نہ رہے۔ اور انکے عہد سلطنت میں راجپوتوں سے برابر لڑائیاں ہوتی رہیں +

اکبر کی یہ پالیسی قوم حکمران کی طاقت بازو زیادہ کرنے کے بجائے ان کے لیئے سخت مضر ثابت ہوئی اور ہونی چاہیے تھی۔ محکومین کا امور سلطنت میں دخل حاکم کے اختیارات کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور جوں جوں دخل محکومین بڑھتا جائیگا حکمران کی طاقتیں کم ہوتی جائینگی۔ گورنمنٹ جو اس طرح روز بروز ضعیف ہوتی جاتی ہے۔ ربط و ضبط امور میں قاصر ہو جاتی ہے۔ اور جن حالتوں میں وہ گورنمنٹ غیر قوم کی ہو۔ تھوڑے ہی دنوں میں اسے کوچ کرنا پڑتا ہے +

یہ آگ جو اکبر نے دیدہ دانستہ اپنے گھر کو لگائی جہانگیر اور شاہجہان کے زمانہ میں سلگتی رہی۔ یک لخت اسکا بھڑک اٹھنا محال تھا۔ جو ولولے سالہا سال تک راجپوتوں کے سینوں میں بند رہے تھے ان میں جوش آنے اور صدیوں کی مردہ طبیعتوں میں جان پڑنے کے لئے آخر وقت شرط ہے۔ مدت پاکر وہ آگ اورنگ زیب کے زمانہ میں خوب بھڑک گئی۔ لیکن اورنگ زیب آدمی تھا زبردست اس کے سامنے کسی کی ایک بھی پیش نہ گئی +

اورنگ زیب کی ابتداء فرمانروائی میں ہی راجپوتوں نے اس کے ساتھ ہتکنڈے شروع کئے۔ مہاراجہ جسونت سنگھ جو بڑا زبردست جرنیل اور دربار شاہی میں اعلے

منصب پر ممتاز تھا۔ راجہ گج سنگھ راٹھور والی جودھپور کا بیٹا تھا۔ جب راجہ گج سنگھ مرگیا۔ تو شاہجہان نے جسونت سنگھ کو خطاب راجگی عطا کر کے منصب چار ہزاری پر سرفراز کیا۔ جسونت سنگھ کا بڑا بھائی امر سنگھ تھا۔ شاہجہان نے اس کو صرف راؤ کا خطاب اور سہ ہزاری منصب عطا کیا۔ امر سنگھ کو یہ امر ناگوار ہوا۔ ایک دن موقع پاکر اس نے برسر دربار علم طغیان بلند کیا۔ اور اسی وقت مارا گیا۔ خانہ جنگی کے وقت دارا نے جسونت سنگھ کو اورنگ زیب کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا۔ جسونت سنگھ خود شکست فاش کھانے اور دارا کی ہزیمت کے بعد بوساطت راجہ جے سنگھ اورنگ زیب سے معذرت طلب ہوا۔ اورنگ زیب نے اس کی خطا معاف کی۔ اور بحالی عہدہ بھی کردی۔ جب اورنگ زیب پنجاب سے بنگالہ کی طرف شجاع سے جنگ کرنے گیا۔ تو جسونت سنگھ ساتھ تھا۔ شاہ خطاپوش کے دل میں مہاراجہ مذکور کی جانب سے کسی قسم کا خدشہ نہ تھا۔ جب دونوں لشکر مقابل ہوئے۔ ترتیب فوج میں بادشاہ نے برنغار پر مہاراجہ کو معہ اس کے راجپوت سپاہیوں کے جگہ دی۔ وہ دن تو بغیر لڑائی کے گذر گیا۔ اور ادہر جسونت سنگھ نے شجاع سے نامہ و پیام کا سلسلہ جاری کرکے عالمگیر سے دغا کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ جب رات نصف سے زیادہ گذر گئی تو جسونت سنگھ اپنے ساتھی راجاؤں اور فوج سمیت عقب فوج شاہی پر حملہ آور ہوا اور غارت و تاراج اور کشت و خون مال و مردم شاہی میں اس نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اتنے میں شاہی ننگجوار بھی ہشیار ہوگئے۔ خود اورنگ زیب بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ مہاراجہ نے راہ فرار اختیار کی اور فوج شاہی میں کھلبلی اور گھبراہٹ جو بسازش شجاع اس کا عین مقصد تھا ڈال گیا۔ بادشاہ مہاراجہ کی اس حرکت سے کچھ دل باختہ نہ ہوئے بلکہ کہتے تھے کہ "الحمد لله بدیں وسیلہ تفریق منافق و موافق بر روئے کار و محک عیار آمد"۔ عالمگیر کے عزم و تدبیر کے سامنے اسکے دشمنوں کی ایسی چالاکیاں کچھ پیش نہ جاتی تھیں۔ صبح ہوتے ہی فوج سمیٹ شجاع کو شکست دی۔ مہاراجہ کو سوجھی کہ شاہجہان ابھی زندہ ہے۔ پہلے آگرہ کا رخ کیا اور سب جگہ یہ خبر مشہور کردی کہ

عالمگیر شکست کھا کر مارا گیا ہے۔ مدعا آپ کا ایک نیا فتنہ اٹھانے اور حکمرانوں کے باہمی کشت وخون سے خود مستفید ہونے کا تھا۔ مگر اقبالِ عالمگیری کے سامنے اس خبر دروغ نے کچھ بھی فروغ نہ پایا۔ اور جسونت سنگھ معہ رفقا اپنے وطن جودھ پور کو بھاگ گیا۔ وہاں پہنچکر بیچارے بیابان گرد دارا کو سبز باغ دکھا راجپوتانہ کی طرف سے بدل وجان اس کی امداد کا یقین دارا کے دل میں جما یا۔ کم فہم دارا اس کی باتوں میں آگیا اور راجپوتانہ کی طرف چل پڑا۔ جب جسونت سنگھ سے حدود ملک کے قریب پہنچا۔ دارا نے اپنے بیٹے سلیمان شکوہ کو مہاراجہ کے پاس بھیجا اور ایفائے وعدہ کا خواستگار ہوا۔ مہاراجہ صاحب اکڑ بیٹھے اور دغابازی کی چالیں چلنے لگے۔ اور ادہر سے راجہ جے سنگھ کو گانٹھ شہنشاہ سے معافی قصور کے طلبگار ہوے۔ اورنگ زیب ایسے وقت میں ایسے تعلق کا ٹھنے سے کیوں پیچھے ہٹنے لگا تھا۔ اور کوئی دانا کب ہٹیگا۔ جسونت سنگھ کی خطا معاف کر دی۔ جسونت سنگھ نے اس معافی قصور کا ذکر سلیمان شکوہ سے بالکل نہ کیا۔ بلکہ پہلے ملطائف الحیل دفع الوقتی کرتا رہا اور آخر کار اس نے دارا کے ویڈ پر آجانیکو شاہزادے کو ٹکا سا جواب دے دیا۔ اب دارا عجب مخمصے میں پھنس گیا تھا۔ نجائے ماندن نہ پائے رفتن۔ ناچار ظفر نصیب بھائی کے مقابلہ میں آیا۔ شکست فاش کھائی اور اپنی رہی سہی جمعیت مہاراجہ کی مہربانی سے پراگندہ کراکر تھوڑے دنوں کے بعد قید ہو گیا۔

باوجود مہاراجہ کی ان حرکتوں کے اورنگ زیب اسکو الطاف خسروانہ سے ہمیشہ نہال کرتا رہا۔ مہماتِ شاہی اس کے سپرد ہوئیں۔ اور کمان افواج اور انتظام ممالک اسکے ہاتھ میں دے کر اس کی عزت افزائی کی جاتی۔ شائستہ خاں کے ساتھ سیواجی کے مقابلہ پر جسونت سنگھ بھی مامور تھا۔ اور آپ وہاں بھی اپنی جبلی عادت سے باز نہ آئے۔ جب شائستہ خاں قصبہ پونا میں جاگزین تھا۔ جسونت سنگھ مرہٹوں سے مل گیا۔ اور اسکی تجویز و مدد سے سیواجی بارات کے بہانے

شہر میں آگیا۔ اورنگ زیب نے اسوقت بھی جسونت سنگھ کی دل شکنی نہ کی۔ شائستہ خاں مہم سے واپس بلایا گیا اور جسونت سنگھ وہاں رہا۔ لیکن اس کی نمک حرامی کی وجہ سے مہم مرہٹہ میں شاہی فوج کو کچھ کامیابی نہوئی۔ بلکہ شائستہ خاں کے واپس آنیکے تھوڑے ہی دنوں بعد سیواجی نے جسونت سنگھ کی سازش سے بندر سورت کو لوٹا۔ اس پر راجہ دکن سے دربار میں طلب ہوا۔ مگر وہ بجائے دہلی آنے کے اپنی ریاست کو چلا گیا۔ اورنگ زیب کے فیاض دل میں اس سے بھی کچھ ملال نہ آیا اور جسونت سنگھ کو کچھ نقصان نہ پہنچا ۔

سنہ ۱۰۸۳ ہجری کے قریب جسونت سنگھ کابل میں شاہی خدمت پر مامور تھا کہ اجل طبعی سے مرگیا۔ راجہ کے معتمد بغیر اس کے کہ فرمان شاہی کا انتظار کریں۔ یا صوبہ دار سے اجازت اور دستک (پروانہ راہداری) حاصل کریں راجہ کے عیال و اطفال کو ساتھ لے کابل سے ہندوستان کو چلدئیے۔ جب دریائے اٹک پہنچے میر بحر ان کے پاس دستک نہ ہونے کی وجہ سے مانع عبور ہوا۔ اس پر راجپوت میر بحر سے بگڑ پڑے اور جنگ و جدال کی نوبت پہنچی۔ بہرزور راجپوت میر بحر اور دیگر مردمان شاہی کو قتل و زخمی کرکے بزور دریا سے پار اُتر لاہور پہنچے یہاں مہاراجہ جسونت سنگھ کی دو رانیوں کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ نوکران مسطور حقیقت ولادت ہر دو پسر معروض داشتہ التماس عطائے منصب و راج کردند۔ لیکن چوں اندر سنگھ ولد راو امر سنگھ نبیرۂ امر سنگھ انتقال جسونت سنگھ بجود جودھپور کا راجہ مقرر ہوچکا تھا حکم ہوا کہ دونو لڑکوں کو حاضر دربار کریں۔ جب سن تمیز کو پہنچینگے منصب و راج انہیں ملجاویگا ۔

دارالخلافہ میں پہنچکر ان لوگوں نے ان میں مبالغہ و الحاج حد سے زیادہ کیا اور سرکاری آدمیوں کے سمجھانے پر ان سے الجھ پڑے۔ بادشاہ سمجھا کہ یہ سرکش گروہ جودھپور پہنچکر بانیٔ فساد ہوگا۔ اور اموال و اقطاع مہاراجہ میں دستبرد کریگا۔ مہاراجہ کے کل مقبوضات اس زمانہ کے قانون کے مطابق مہاراجہ کی وفات پر کلیت

شاہی میں آ گئے تھے اور حسب دستور اس کی جاگیر و اموال و خطابات اسکے وارثوں میں جس کسی کو بادشاہ ان کے لائق سمجھتے تھے عطا ہوتے تھے۔ اور وہ اندر سنگھ کو عطا ہو بھی چکے تھے۔ راجپوتوں کی اس گستاخانہ کارروائی سے جو اُن سے دریائے اٹک پار اترنے پر اور اسکے بعد ظہور میں آئی بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ راجپوت خلاف رسم و قانون ملک عمل کرنا چاہتے ہیں اور علم بغاوت بلند کر کے امن مملکت میں خلل ڈالنا چاہتے ہیں۔ کل راجپوتوں کو جو کابل سے آئے تھے نظر بند رکھنے کا حکم دیا۔ کچھ دن بعد چند راجپوتوں نے وطن جانے کے لئے رخصت مانگی۔ بادشاہ نے اپنی قدیم فیاضانہ اور خطا پوش عادت کے مطابق اجازت رخصت دیدی۔ لیکن راجپوتوں کے دل صاف نہ تھے۔ ان میں سے ایک شخص درگاداس نامی جو بڑا متفنی تھا عجب چال چلا کچھ عورتوں کو مردانہ لباس پہنا اور دو نا شخص بچے ہمراہ لے دلی میں یہ مشہور کر کے وہاں سے بھاگا کہ جسونت سنگھ کی رانیاں اور بچے اس کے ساتھ چلے گئے ہیں۔ اورنگ زیب نے یہ خبر سنتے ہی تفحص کیا۔ اور اپنی تسلی کر لی کہ درگاداس نے جو خبر پھیلائی ہے غلط ہے۔ لیکن درگاداس نے جودھپور پہنچکر چاروں طرف بغاوت پھیلا دی۔ اور راجپوتوں کو جسونت سنگھ کے فرضی بچوں کی مدد کے لئے برانگیختہ کیا۔

اورنگ زیب دیکھ رہا تھا کہ راجپوتوں کی گستاخیاں حد اعتدال سے بڑھ گئی ہیں۔ اور سیاست سلطنت کا دباؤ ان پر بہت تھوڑا رہ گیا ہے اور رعب حکومت ان کے دلوں سے بالکل اٹھ گیا ہے۔ اس سے پہلے ایک دفعہ جب ستنامی فرقہ کی بغاوت کا واقعہ ہوا اور اس فرقہ نے شاہی فوج کو ایک دو بار زک دی کم حوصلہ راجپوت فرصت وقت کو غنیمت سمجھ منحرف ہو گئے اور اداے مال گذاری سے دست کش ہو کر شوخیاں کرتے تھے اور ملک میں فساد پھیلاتے تھے۔ اب رانا سے چتوڑ نے جو خاندان مغلیہ کا قدیمی دشمن تھا جسونت سنگھ کے نا شخص لڑکوں کو اپنے ہاں پناہ دے کر بڑے لڑکے سے اپنی لڑکی کو منسوب کر دیا۔ اور

شکوک جو ان لڑکوں کی اصلیت کی نسبت لوگوں کے دلوں میں تھے اس تجویز سے رفع کرنیکے کی کوشش کی۔ خود لڑکوں کی تائید میں کھڑا ہو گیا اور گرد و نواح میں مادہ شور و فساد پھیلایا +

بادشاہ کی غیرت راجپوتوں کی یہ سرزوریاں دیکھ کر جوش میں آئی۔ چونکہ اندر سنگھ سے کچھ نہ ہو سکتا تھا اسے دربار میں واپس بلا لیا گیا اور راجپوتوں کی سرزنش کے لئے خود طیاریاں کیں۔ اور چتور پر چڑھائی کر دی۔ اس وقت بائیسواں سال جلوس تھا۔ شمشیر عالمگیری کے خوف سے رانا ہراساں ہوا۔ اور کمال عجز و التماس عفو سے اطاعت کی۔ بادشاہ واپس آئے۔ ایک سال بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ رانا سے کم حوصلہ نے بدعہدی کی اور منصوبان شاہی کو تعمیل شرائط صلح نامہ میں روکا۔ بادشاہ نے از سر نو چڑھائی کی۔ خود اجمیر میں خیمہ زن ہوئے اور شاہزادہ اکبر کو لشکر قاہرہ ہمراہ دے کر رانا کی تنبیہ تادیب کے لئے مقرر کیا اور شاہزادہ محمد اعظم کو بنگالہ سے اور محمد معظم کو دکن سے طلب کیا +

شاہزادہ معظم بموجب فرمان شاہی اجین کی طرف سے ملک رانا پر حملہ آور ہوا۔ اور ایک طرف سے اکبر نے اور دوسری طرف سے معظم نے راجپوتوں کو تنگ کر دیا۔ رانا نے جب دیکھا کہ مقابلہ سے عہدہ برآئی نہیں ہوتی۔ مکر و فریب کا جال بچھایا اور شاہزادہ معظم کو قابو میں لا کر بغاوت کی ترغیب دی۔ لیکن نواب بائی والدۂ شاہزادہ کی عقل سلیم نے شاہزادہ کو چاہ بغی میں گرنے سے سنبھال لیا۔ اس ناکامیابی نے فتنہ پردازوں کو مایوس نہ کیا۔ شاہزادہ اکبر کے شباب خام طبعی۔ اور ان کے ہمدموں کی رہنمائی پر بھروسہ کر کے اس کی طرف جھکے۔ وہی درگا داس جو بانی مبانی اس فساد کا تھا بڑا چرب زبان اور حراف تھا۔ وہ شاہزادہ کی خدمت میں پہنچا اور چالیس ہزار جرار راجپوت اور بے شمار خزانہ کی مدد کے وعدے سے اس نے شاہزادہ کو وہ سبز باغ دکھائے اور اپنی نرم فتنہ

انگیز زبان سے شاہزادہ پر وہ جادو کیا کہ شاہزادہ لالچ میں آگیا۔ درگاداس تیس ہزار سوار لے کر شاہزادہ سے آملا محمد اکبر نے جلوس کیا۔ سکہ اپنے نام کا جاری کرکے امراکو خطاب و مناصب دینے شروع کر دیے اور باپ کے مقابلہ پر کھڑا ہو گیا بادشاہ کو جب خبر ملی خود بدولت شاہزادہ باغی کی سرکوبی کے لئے آگے بڑھے۔
اس دفعہ شاہزادہ کے معاون و بانی فساد راجپوت عجیب چال چلے۔ دونو فوجیں ابھی مقابلہ پر بھی نہ آئی تھیں کہ راجپوت یک لخت بھاگ اٹھے اور درگاداس اور رانا کے ایک دو اور معتمدوں کے سوا کوئی راجپوت شاہزادہ کے ساتھ نہ رہا۔ بلکہ ان کی اس نامعقول حرکت کی وجہ سے اس کی اپنی فوج بھی باستثنائے دو تین ہزار قدیمی جاں نثاروں کے کل تتر بتر ہو گئی۔ محمد اکبر نے ناچار حیران و دل باختہ راہ فرار اختیار کی۔ اور ایران میں جا کر پناہ گزین ہوا اور وہیں مر گیا +
درگاداس کا اس کل کاروائی سے مقصود یہ تھا کہ فوج شاہی میں تفرقہ پڑ جاوے اور اس سے قوت عالمگیری کو صدمہ پہونچے۔ وہ بڑی زبردست چال چلا تھا۔ اس کی اس چال نے اکبر اور اکبر کی فوج کو جنود شاہی میں شامل ہونے سے ہمیشہ کے لئے روک دیا۔ اور ان کی علیحدگی نے افواج عالمگیری کا ایک بڑا بازو توڑ دیا۔ مگر راجپوتوں کو آخر میں اس چال سے ایسا بڑا فائدہ نہ ہوا۔ رانا کو آخر کار مغلوب ہو کر خطابخشی کا خواستگار ہونا پڑا۔ اور افواج شاہی راجپوتانہ سے ہٹ آئیں +

مرہٹے

احمد نگر کی فوجوں میں جو بسر کردگی ملک عنبر جیوش شاہ جہانی کا مقابلہ کر رہی تھیں ایک قسمت آزما ثروت طلب شخص مالوجی نام تھا۔ وہ تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ ملک عنبر کی خدمت میں نوکر ہوا۔ اور زمانہ کے نشیب و فراز کی بدولت جو ان دنوں میں دکن کو تہ و بالا کر رہے تھے مالوجی اور اسکے بعد اسکا

بیٹا ساہوجی بااقتدار ہوگئے۔ ساہو اپنے آقا سے کشیدہ خاطر ہوکر خدمت شاہجہان میں دلی پہنچا۔ زمرۂ امرا میں داخل کیا گیا۔ لیکن کچھ مدت بعد شاہجہان سے بھی ناراض ہوگیا اور بیجاپور کی طرف سے شاہی فوج کے برخلاف آکر لڑتا رہا اور فساد اٹھاتا رہا۔ جب ساہو کی خبر دربار میں پہنچی بادشاہ نے اورنگ زیب کو دکن میں بھیجنے کا ارادہ کیا۔ اور اورنگ زیب پہلی دفعہ دکن کا گورنر ہوکر وہاں پہنچا۔ بیجاپور سے جو صلح ہوئی۔ اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ساہو کو شہنشاہ نوکر نہ رکھینگے بیجاپور بیشک نوکر رکھ لیوے۔ ساہو کابل تھوڑے دنوں میں ہی نکل گیا۔ مقہور رہو گیا۔ اور باجازت شاہجہان بیجاپور کا ملازم ہوا۔

عادل شاہ والی بیجاپور نے ساہو کی حسن خدمات کے عوض میں دو پرگنات پونا دو سو پا کی جاگیر اسے مرحمت کی۔ اہتمام اس جاگیر کا ساہو نے اپنے بیٹے سیواجی کے سپرد کرکے سیواجی کو وہاں ہی چھوڑا۔ سیواجی ۱۶۲۸ء میں پیدا ہوا تھا۔ مذہبی توہمات اس کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ ہندو دیوتاؤں کا پکا پجاری اور برہمنوں کا سخت معتقد تھا۔ "قزاقوں کی کل خاصیتیں۔ عیاری۔ مہم پسندی۔ بے قراریت اور مقدس کتابوں کی تعظیم اس میں بے کم و کاست پائی جاتی تھیں۔ شریف راجپوتوں کے غرور۔ ان کی شریفانہ رویہ اور ان کی غیرت وجمعیت سے سیواجی بالکل بے بہرہ تھا۔ اور مکاری۔ دغا بازی۔ وعدہ خلافی اور بدلحاظی اس کے پسند خاطر تھیں۔" باپ کی جاگیر میں جس کی زمین سنگلاخ اور لاحاصل خاردار درختوں کے جنگلوں سے جابجا ڈھکی تھی سیواجی نے گڑھیاں بنانی شروع کیں۔ اسی زمانہ میں عادل شاہ بیمار ہوگیا اور بسبب امتداد مرض اس کی ممالکت بیجاپور میں کھلبلی مچ گئی۔ سیواجی فرصت وقت کو غنیمت سمجھ کر آس پاس کے جاگیرداروں کی جاگیروں میں دستبرد کرنے لگا اور جو جو قصبہ معمور سیر حاصل اس کے نظر چڑھا تاخت و تاراج کرکے اس پر قابض ہوگیا۔ سیواجی چالاک جو تھا غضب عادل شاہی سے مصئون رہنے کی غرض سے وہ جاگیرداران مظلوم

پرپشیدستی کرکے تحف وتحائف بے شمار دربار میں بھیجدیتا۔ اور جھوٹی تہمتیں بیچارے جاگیرداروں کے سر پر تھوپ کراپنی طرف سے فرضی خیرخواہی سرکا بیجاپور جتاتا تھا۔ چونکہ بادشاہِ بیجاپور بنفسِ خود مہماتِ سلطنت کی پرداخت سے قاصر تھا مرتشی متصدیوں کی مدد سے سیواجی کی تدبیر سیدھی پڑتی اور اکثر جاگیریں سند سلطانی سے اسکے نام ہوگئیں +

اس داؤ پیچ سے اپنی قوت دن بدن بڑھاکر سیواجی نے معقول جمعیت پیدا کرلی اور قوم مرہٹہ میں سے قزاق پیشہ مردم انتخابی تعداد کثیر میں جمع کرکے نامی قلعوں کی تسخیر میں مصروف ہوا۔ سلطنت بیجاپور کی بدنظمی نے سیواجی کو اپنے ارادوں میں کامیابی حاصل کرنے میں بہت سہولیت پیدا کردی۔ قلعہ جات یکے بعد دیگرے اس کے قابو میں آنے لگے۔ رفتہ رفتہ جب سیواجی نے اپنے قدم جمائے تو بادشاہ بیجاپور سے کھلم کھلا مخالفت شروع کردی۔ شاہی خزانہ کو رستہ میں لوٹ لیا اور گردنواح کے ملک میں تاخت وتاراج کا سلسلہ جاری کردیا +

سیواجی کی ان حرکات نے بیجاپور والوں کو خواب غفلت سے جگایا۔ ساہو کے نام فرامین عتاب آمیز صادر ہوئے۔ لیکن جب پند ونصائح سے کام نہ نکلا اور سرکار بیجاپور کی نرمی سے سیواجی کی شوریدہ پشتی دن بدن بڑھتی گئی تو ساہو کو گرفتار کرکے بند کردیا گیا۔ باپ کے مارے جانے کی تہدید نے بیٹے کو شاہجہان کی طرف رجوع کیا۔ سیواجی باپ کی طرح ملازمت شہنشاہ کا خواستگار ہوا۔ شاہجہان نے اس کی درخواست منظور کی۔ اور پنجہزاری امیروں میں اسے داخل کرلیا +

ساہو بسفارش شاہجہان قید سے آزاد کیا گیا۔ سیواجی باپ کی قید کے دنوں میں خاموش رہا تھا۔ جب اس کے باپ نے رہائی پائی اس نے پھر ظلم وتعدی اور تاخت وتاراج پر کمر باندھی۔ ہر روز اس کی مملکت پھیلتی گئی اور طاقت بڑھتی گئی۔ اتنے میں شاہزادہ اورنگ زیب دوسری دفعہ گورنر مقرر ہوکر آیا

اور سیواجی نے بحیثیت و بموجب رسم ملازمان سلطنت مغلیہ شاہزادہ کی خدمت میں
رسل و رسایل بھیجکر اپنے مقبوضات کے لئے سند سلطانی حاصل کی۔ لیکن جب اس نے
اورنگ زیب کو والی گولکنڈہ سے لڑائی میں مشغول پایا اس گمان سے کہ شاہزادہ
دیر تک جنگ و جدل میں مصروف رہیگا شورش و فساد متخاصمین سے فائدہ اٹھانا
چاہا اور اضلاع سلطنت مغلیہ پر حملہ آور ہوا۔ شہر جنیر پر بے خبر آپڑا اور غنیمت
بے شمار لے کر پیچھے ہٹ گیا۔ بعد ازاں احمد نگر میں ویسی ہی کارروائی کرنے کی
کوشش کی۔ لیکن کچھ ایسا کامیاب نہ ہوا۔ اورنگ زیب کی فوری فتوحات نے
سیواجی کی سب امیدیں خاک میں ملا دیں۔ ڈرا۔ اور جب شاہزادہ بیجاپور کے
محاصرہ میں مشغول تھا۔ سیواجی نے معذرت کر کے آیندہ کے لیے وعدہ وفاداری
اور خدمت گذاری کیا اور اپنی شوخ چشمی اور تیز مزاجی کے لئے معافی کا خواستگار
ہوا۔ معافی مل گئی۔ جب شاہجہان بیمار ہوا اور اورنگ زیب آگرہ کو گیا۔ سیواجی
سلطنت مغلیہ کے زیر سایہ ایک وفا شعار جاگیر دار تھا۔

والی بیجاپور سلطنت کا کام سنبھالنے کے لئے نابالغ جانشین چھوڑ کر مر گیا
سیواجی نے بیجاپور کی مملکت پر یورشیں شروع کر دیں۔ منتظمان سلطنت نے
رسل و رسائل سے سیواجی کو بہت کچھ سمجھایا۔ لیکن جب وہ باز نہ آیا افضل خاں کو
ایک لشکر گراں دے کر سیواجی کی تنبیہ کے لیے مامور کیا۔ مقابلہ و مقاتلہ میں
سیواجی افضل خاں کی کب برابری کر سکتا تھا۔ پرخاش سے مایوس ہو حیلہ و تزویر
کو کام میں لایا۔ سوگند سے عہد و پیمان پختہ کر کے افضل خاں کو بے یراق ملاقات پر
راضی کر لیا اور وعدہ کیا کہ بعد اطمینان کلی خود ہمراہ افضل خاں بیجاپور چلیگا۔ افضل خاں
ان روباہ بازیوں سے محض ناواقف سیواجی کی قسموں پر اعتبار کر کے بے سپاہ اور
بے اسلحہ پالکی میں بیٹھکر سیواجی سے ملاقات کرنے کو مکان موعود پر پہنچا۔ سیواجی
نے آپا مکر سے کانپ رہا تھا۔ اور گذشتہ جرائم کا مقر اور آیندہ کے لئے عفو کا
بعجز ملتمس۔ لیکن آستین میں بچھوا چھپائے ہوئے تھا۔ اور مسلح آدمی غار دکمین

لگائے ہوئے ہو۔ افضل خاں دھوکے میں آگیا۔ سیواجی کے بناوٹی عجز کو اس کی صداقت پر محمول کرکے افضل خاں خود نیک نیت جو تھا اپنے پالکی والوں کو بھی پیچھے ہٹا دیا۔ سیواجی نزدیک پہنچتے ہی افضلخاں کے پاؤں پر گر پڑا۔ افضل خاں اس کے سر کو اٹھا کر دست شفقت اس کی پیٹھ پر رکھ کر بغلگیر ہونے کو ہی تھا کہ سیواجی نے چالاکی سے بچھوا افضل خاں کے شکم میں گھونپ دیا۔ افضل خاں مر گیا۔ سیواجی نے موافق قرارداد اپنے آدمیوں کو خبر دار کر لشکر افضلخاں پر حملہ کیا۔ اور لشکر بیجاپوری تتر بتر ہو گیا۔ جب یہ خبر بیجاپور میں پہنچی۔ رستم خاں سیواجی کی سرکوبی کے لیئے مقرر ہوا۔ لیکن قلعہ پرنالہ کے قریب رستم خاں کو شکست فاش ہوئی۔ آخر کار شاہ بیجاپور نے بذات خود لشکر کشی کی اور میدان کارزار سیواجی پر تنگ کر دیا۔ اور اس کے مقبوضات اسکے ہاتھ سے نکلنے لگے۔ اتنے میں شاہ بیجاپور کو دوسری طرف توجہ کرنی پڑی۔ اور شاہ جی کے توسل سے سیواجی کے قبضہ میں کچھ حصہ ملک چھوڑ دیا گیا۔

ان دنوں اورنگ زیب سخت بیمار ہوا اور اسکے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ سیواجی نے یہ خبر پاکر خیالات خام دل میں پکائے اور مغلیہ سلطنت کے برخلاف گستاخیاں شروع کر دیں۔ شائستہ خاں اورنگ زیب کا ماموں دکھن کا صوبہ دار تھا۔ اور اورنگ آباد اس کا جائے حکومت تھا۔ سیواجی دستبرد کرتا اورنگ آباد تک پہنچا۔ جب ان واقعات کی خبر عالمگیر کو پہنچی۔ شائستہ خاں کے نام فرمان صادر ہوا۔ کہ سیواجی کو سرزنش کرے۔ سیواجی بقول عالمگیر موش کوہی تھا۔ اور اسکے غارت پسند مرہٹے بھی کھلے میدان میں ڈٹ کر لڑنے سے گھبراتے تھے۔ لوٹ مار کی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور شاہی فوج کے باقاعدہ مقابلہ میں آنے سے گریز کرتے تھے۔ بایں ہمہ مغلیہ لشکر ان کے ملجاو ماوا میں گھس گیا۔ قلعہ پونا فتح ہو گیا۔ اور چاکنہ بھی پنجاہ و شش روز کے محاصرہ کے بعد مسخر ہوا۔ قلعہ پرندہ اور دیگر بے شمار قلعے منصوبان شاہی اپنے قبضہ میں لے آئے۔ امیر الامرا

قصبہ پونا میں جاگزین ہوا۔ اور سیواجی کی حویلی میں اترا۔ اور حکم دے دیا۔ کہ کوئی شخص خصوصاً مرہٹہ سوائے نوکر سرکار مع یراق بلکہ بے یراق بدون دستک لشکر و شہر میں داخل نہ ہو۔ ایک دن کچھ مرہٹے جو پیادوں میں نوکر تھے۔ کوتوال کے پاس آئے۔ اور دو سو مرہٹے براتیوں کے لئے دستک حاصل کی۔ اس بہانہ سے رات کو سیواجی مع اپنے ہمراہیوں کے محل میں جہاں امیر الامرا سو رہا تھا جا پڑا۔ امیر الامرا کے بے خبر آدمیوں کو قتل کیا۔ کشمکش کے شور و غل نے امیر الامرا کو جگا دیا۔ وہ لباس خواب میں ہی تیر و برچھا ہاتھ میں لیے ہوئے باہر نکل آیا۔ اسکا انگوٹھا کٹ گیا۔ بیٹا مارا گیا۔ لیکن اپنی جان سلامت رہی۔ سیواجی کو شائستہ خاں سے خاص وجہ عناد تھی۔ شائستہ خاں ساہو کی سرکوبی کے لئے مقرر ہوا تھا۔ اور اس نے ساہو کی خوب سرکوبی کی تھی۔ مکان کے اندر جو لوگ تھے سیواجی نے بڑی بیرحمی سے انہیں قتل کیا۔ کینہ ور سیواجی نے امیر الامرا کے دھوکے میں ایک ضعیف بوڑھے آدمی کو جو مارے ڈر کے رسی کے سہارے قلعہ سے اتر رہا تھا۔ جان سے مار ڈالا۔ اور اس کا سر اتار لیا۔ اور شائستہ خاں کی دو حرم خاص کو تہ تیغ کر کے ایک کو تو ایسا ریزہ ریزہ کیا کہ اسکا کفن و دفن بمشکل ہو سکا۔ اور دوسری کو چونتیس زخم لگے۔ سیواجی اپنا کام کر کے راتوں رات پھر بھاگ گیا۔ صبح ہوتے ہی راجہ جسونت سنگھ جو مہم میں شامل تھا۔ ملاقات اور معذرت کو امیر الامرا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس بزرگ نژاد سپہ سالار نے صرف یہی کلمہ راجہ کو کہا۔ "ما دانستیم کہ مہاراجہ بکار بادشاہی آمدکہ بر ما چنیں چشم زخم رسید"۔ عالمگیر کو جب اس واقعہ کی خبر لگی۔ تو امیر الامرا اور راجہ جسونت کو عتاب ہوا۔ صوبہ داری دکن اور مہم سیواجی کے لئے شاہزادہ محمد معظم مامور کیا گیا۔ اور شہنشاہ خطا پوش نے راجہ جسونت سنگھ کو پھر داخل کومکیاں کر کے شاہزادہ کی خدمت میں تعین کیا۔ لیکن راجہ جی کے کارنامے باوجود بیجا بذل و احسانات شاہی اب بھی لائق تحسین نہ ہوئے۔ سیواجی روز بروز زور پکڑتا

گیا۔ واقعۂ شائستہ خاں کے چند روز بعد سیواجی نے ایسا ہی ایک اور چھاپا مارا جس میں زیادہ کامیابی ہوئی یعنی "چپکے سے دو تین ہزار چیدہ سپاہی ساتھ لے کر اپنے لشکرگاہ سے نکل کھڑا ہوا۔ اور یہ مشہور کیا کہ ایک راجہ بادشاہ کے سلام کو دہلی جاتا ہے۔ اور جب شہر سورت کے قریب پہنچا اور وہاں کا حاکم اسکو ملا تو اسے یہ دم دے دیا کہ میرا قصد شہر میں جانے کا نہیں ہے سیدھا باہر باہر جاؤنگا (حالانکہ اس منصوبہ کا اصل مدعا اسی مشہور اور دولت مند بندرگاہ کو لوٹنا تھا) اور آپ تلوار پکڑ کر شہر میں آگھسا اور تین دن تک لوگوں کو سخت تکلیفیں اور عذاب دے دے کر خوب نچوڑا۔ اور بقدر کئی لاکھ روپے کے سونے چاندی اور موتیوں اور ریشمی کپڑوں اور عمدہ ململوں اور تجارتی جنسوں سے لاد کر چلتا پھرتا نظر آیا۔ اور جو چیز اٹھا نہ سکا اسکو پھونک جلا کر خاک سیاہ کر گیا۔

سیواجی کا محالات شاہی میں تاخت و تاراج کرنا۔ قافلوں کو لوٹنا۔ اور قصبات پر حملے کرنا۔ کشتیہائے راہ کعبہ پر کر کے حاجیوں کو زیارتِ حرمین شریفین سے روکنا۔ اور سمندر میں قلعے احداث کر کے خشکی و تری میں خلل و فساد کا موجب ہونا اور جگہ جگہ میں خطاب مہاراجگی اختیار کر کے سکہ اپنے نام کا جاری کرنا اور یہ سب کچھ شاہی فوج کے روبرو جو اس کی سرکوبی کے لئے متعین تھی۔ سرسری نظر سے دیکھنے والے کو حیرت انگیز واقعات معلوم دیتے ہیں۔ حیرانی اس امر سے ہوتی ہے کہ شاہی فوج جسکے سامنے سیواجی تھرتھر کانپا پہلے بھی ثابت ہو چکا تھا۔ اور بعد میں بھی ثابت ہوا ان گستاخیوں پر سیواجی کا کچھ بگاڑ نہ سکی۔ ذرا غور کیا جاوے تو وجہ صاف ظاہر ہو جاویگی۔ مہاراجہ جسونت جی میدان میں تھے۔

بعد عرض حالات عالمگیر نے جسونت سنگھ کو واپس بلا لیا اور راجہ جے سنگھ کو مع راجہ رائے سنگھ۔ دلیر خاں۔ پورنمل۔ داؤد خاں اور دیگر بڑے کارطلب بہادروں کے سیواجی کی گوشمالی کے لئے مرخص کیا۔ کمان راجہ جے سنگھ کو عنایت ہوئی۔

سیواجی کی کیا حیثیت تھی۔ راجہ اور اُنکے ہمراہیوں کی دلیری نے اُسے مجبور کر دیا۔ قلعات یکے بعد دیگرے اُسکے ہاتھ سے نکلتے گئے۔ جب اُسنے دیکھا کہ سوائے مصالحت کے چارہ نہیں صلح کے لیے سلسلہ جنبانی کی اور بہت سی عاجزی ظاہر کی۔ راجہ تجربہ سے ہوشیار ہو چکا تھا۔ ضروری احتیاط سے پیش آیا لیکن اس دفعہ سیواجی بہت دبا ہوا تھا۔ "راجہ عہد امان جان و آبرو دادہ بشرط رفتن حضور و اختیار نمودن اطاعت نوکری درگاہ و بوعدہ عطائے منصب عمدہ قبول مصالحت نمود" راجہ جے سنگھ نے بہت خاطرداری کی۔ فرمان عفو دربار سے آگیا۔ اور آخر میں شرائط صلح حسب ذیل قرار پائیں:۔

(۱) سیواجی ۳۵ قلعوں میں سے جو اُسکے قبضے میں تھے ۲۳ قلعے جن کی چالیس لاکھ روپیہ پیداوار تھی بندگان بادشاہی کے سپرد کردے۔ اور بارہ قلعے چھوٹے اور کم حاصل اُس کے اپنے تصرف میں رہیں۔

(۲) سنبھا پسر سیواجی جس کی عمر اس وقت آٹھ سال تھی اور جسے پنجہزاری منصب حضور سے عطا ہوا تھا دربار کو روانہ ہو۔ نیتاجی شائستہ فوج کے ساتھ ہمراہ راجہ خدمت شاہی کرے۔

(۳) سیواجی خود بعد حصول سعادت آستان بوسی در دریافت ملازمت بدستور بندہائے مطلق العنان "کہ در اقطاع خود و صوبجات خدمت مے نمایند" اپنے عیال سمیت ان ہی پہاڑوں میں اپنے پامال شدہ ملک کی آبادی میں مشغول رہے اور جب کبھی خدمت شاہی کے لیے طلب کیا جاوے فوراً حاضر ہو۔

سیواجی کی واقعہ طلب طبیعت اس کو خاموش کب رہنے دیتی تھی۔ افواج بادشاہی میں شامل ہو گیا اور بیجاپور کی لڑائیوں میں اس سے ترددات نمایاں ظہور میں آئے۔ جو باعث خوشنودی راجہ جے سنگھ ہوئے۔ راجہ بادشاہ کی طرف سے خطا بخشی کا کفیل ہوا اور سیواجی کو عنایات شاہی کی امید دیکر تیسری شرط صلحنامہ کے بموجب روانۂ حضور کیا۔

شاہان مغلیہ کے عہد میں اکبر کے زمانہ سے دستور چلا آتا تھا کہ ایلچی صوبہ دار سپہ سالار۔ راجگان و نوابان ہند اور دیگر امراء جو مختلف خدمات سے واپس دربار میں آتے تھے بطریق ذیل شہنشاہ کے حضور میں پیش کئے جاتے تھے۔

میر حاجب ہر ایک کو پیش کرتا۔ تخت سے بیس گز کے فاصلہ پر موجب ہدایات چوبدار تین دفعہ زمین تک جھکنا اور ہاتھ کو زمین کے برابر سے ماتھے تک لانا ہوتا تھا۔ اور ہر ایک دفعہ چوبدار بلند آواز سے پکارتا تھا کہ فلاں امیر شہنشاہ عالم کی خدمت میں کورنش بجالاتا ہے۔ پھر امیر مذکور کو ایستادہ امراء کی دو رویہ صفوں کے درمیان سے تخت شاہی کے زینہ پائین تک لے جاتے اور وہاں بھی یہی آداب عمل میں آتے تھے۔ بعد میں وہ امیر آہستہ سے تخت پر چڑھتا تھا۔ اور اگر وہ امراء میں والاقدر یا منظور نظر ہوتا تھا تو وہ اپنی نذر خود پیش کرتا تھا اور بادشاہ اس میں سے ایک مہر کو ہاتھ لگا دیتے تھے۔ بعض اوقات بادشاہ اس سے کچھ کلام کرتے تھے ورنہ اُسے اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ جانا ہوتا تھا اور پہلے آداب دوبارہ انہی دو موقعوں پر بجالانے پڑتے تھے۔

جب کوئی شخص کسی منصب پر سرفراز ہو کر درجۂ امراء میں داخل کیا جاتا تھا اس کو بھی اسی طرح پیش ہو کر انہی رسومات کی تعمیل کرنی ہوتی تھی۔ اس رسم کو رسم کورنش کہتے تھے۔

امراء کے مختلف مدارج تھے اور یہاں ہمارے مطلب کے لئے مفصلہ ذیل مدارج کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

شاہجہان کے عہد سلطنت کے اختتام پر امراء میں سے صرف چار اشخاص منصب ہفت ہزاری سے سرفراز ہوئے تھے اور اس سے زیادہ منصب باستثناء ہر چہار شاہزادگان کے کسی کو حاصل نہ تھا۔ شش ہزاری چھ۔ پنجہزاری سترہ۔ چہار ہزاری چودہ۔ سہ ہزاری پانصدی ایک۔ سہ ہزاری سینتالیس۔ ہزار و پانصدی بیس ہزاری اٹھتیس۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پنجہزاری منصب کوئی چھوٹا منصب نہ تھا اور دکن کے صوبیدار کئی دفعہ پنجہزاری سے ادنے منصب والے مقرر ہوئے تھے۔

جب سیواجی دہلی میں پہنچا۔ کنور رام سنگھ ولد راجہ جے سنگھ و مخلص خاں اس کو استقبال کے لئے بھیجے گئے۔ اور اس کو دربار میں آنے کا حکم ہوا۔ آیا۔ اور چوبدار نے حسب معمول کورنش بجالانے کے لئے اسے کہا سیواجی نے انکار کیا۔ شاہجہان کے زمانہ میں جیسا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں سیواجی کو منصب پنجہزاری ہی عطا ہوا تھا۔ پنجہزاریوں کی صف میں اسے کھڑا کیا گیا۔ سیواجی نے عالمگیر کی طرف بنظر حقارت دیکھ کر ژاژ خائی شروع کی اور شہنشاہ غیور کی بیحد بے ادبی کی۔ اورنگ زیب رنجیدہ ہوا۔ لیکن اس کی فیاضانہ طبیعت نے غضب کو روک دیا فرمایا کہ سیواجی کو نظر سے دور لیجاویں۔ عفو کیش بادشاہ نے پھر سیواجی کو دربار میں آنے کی اجازت دی لیکن اس دفعہ بھی اس نے کورنش بجالانے سے انکار کیا۔ اور عالمگیر کی طرف پیٹھ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نامعقول حرکت پر بھی اکتفا نہ کر کے رعونت بھری آواز سے پہلے سے زیادہ بیہودہ کلامی کرنے لگا۔ اور شوکت عالمگیری کی پرواہ نہ کر کے گندہ دہانی سے سارے دربار کو پراگندہ دماغ کر دیا شاہنشاہ اس کی لچر باتیں سنکر ہنس دیا اور اسے حضور سے دور لیجانے کا اشارہ کیا۔ اور حکم دیا کہ حقیقت واقعہ راجہ جے سنگھ کو تحریر کی جائے تاکہ جو کچھ وہ مصلحت سمجھ کر لکھے اس پر عمل کیا جاوے اور وہاں سے جواب آتے تک سیواجی کنور رام سنگھ پسر راجہ جے سنگھ کی حفاظت میں رہے۔ سیواجی دربار میں نہ آیا کرے اور سنبھاجی پسر سیواجی کو فرمایا کہ وہ کنور رام سنگھ کے ساتھ مجرا عرض کر جایا کرے۔ سیواجی بیقرار ہو گیا۔ بیماری کا بہانہ کیا اور کنور رام سنگھ سے سازش کر ایک دن معہ سنبھا مٹھائی کے ٹوکروں میں بیٹھ نکل گیا۔ جب اورنگ زیب کو سیواجی کی فراری کی خبر پہنچی رام سنگھ کو بے منصب اور مجرا سے ممنوع کر دیا ۔

سیواجی چھپتا ہوا عبداللہ قطب الملک کے پاس اور ایک قول کے بموجب ابو الحسن تانا شاہ کے پاس جو سنہ ۱۰۸۳ ہجری میں عبداللہ کا جانشین ہوا حیدرآباد پہنچا۔ والی حیدرآباد اس کے فریب میں آگیا۔ چند ایک سرحدی قلعے دولت قطب شاہیہ کے جو عادل شاہیہ کے قبضہ میں چلے گئے تھے سیواجی نے جو فن قلعہ گیری میں استاد تھا بکفالت قسم چند دنوں

میں ہی بشرط مدد فوج ومصالح قلعہ گیری مسخر کرکے والی حیدرآباد کے آدمیوں کے حوالے کر دینے کا اقرار کیا اور ان قلعوں کے سوا اپنے چند قلعے جو عالمگیر کے تصرف میں ہو گئے تھے ان ہی آدمیوں کی مدد سے فتح کرکے اپنے قبضہ میں لانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ والی حیدرآباد نے کمک مہیا کی۔ سیواجی دغا کر گیا۔ قلعے فتح کئے۔ اور منصوبان حیدرآباد کو کئی دن ٹال مٹول میں رکھ کر آخر میں صرف ایک دو قلعے ان کے سپرد کئے اور باقی پر خود قابض ہو بیٹھا۔

العقصہ قلعہ گیری سے فراغت پاکر سیواجی بدستور سابق قلعہ راجگڈھ میں قیام پذیر ہوا۔ اور از سر نو علم طغیان بلند کرکے اولاً شہر سورت کو لوٹا اور ہزارہا زن ومرد ہندو مسلمان قید کر لئے۔ بعد میں سیواجی نے جہازات راہ ولایت وکعبۃ اللہ پر ہاتھ صاف کیا۔ دہلی سے دلیر خاں اور خان جہان بہادر اس کی تنبیہ کے لئے مقرر کیے گئے۔ شاہی فوجوں کے ڈر کے مارے اب سیواجی خود کم مقابلہ میں آتا تھا اور آخر کار ۱۰۹۱ھ ہجری میں مدت تک لڑنے بھڑنے کے بعد نواح مرتضےٰ آباد میں باجل طبعی مر گیا۔ سیواجی کے بعد اسکا بیٹا سنبھاجی اسکا جانشین ہوا۔ اِس میں سوائے دلیری کے اور کوئی خوبی باپ کی موجود نہ تھی۔ بیرحمی اور عیاشی اسکی طبیعت میں تھی۔ مغلیہ فوجوں کے ساتھ کئی لڑائیوں کے بعد سنبھاجی تقرب خاں کے ہاتھوں قید ہو گیا۔ اور بعلت حرفہائے ناشائستہ جو اسکی زبان سے نکلے جان سے مارا گیا۔ اس کے بیٹے ساہو کی جان بخشی کی گئی اور منصب ہفت ہزاری اُسے مرحمت ہوا۔

سنبھاجی کے بعد مرہٹہ سرداروں نے اسکے بھائی رام راجا کو گدی نشین کیا۔ رام راجا نے تاخت وتاراج کے لئے جابجا افسر تعین کئے اور مرہٹوں کے حاصل کردہ ملک کا بہت سا حصہ جو مغلوں کے ہاتھ میں آچکا تھا اسکے واپس لینے کی فکر میں لگا۔ اس کے دو بڑے مشہور زبردست جرنیل سنتا اور دھنا جادو تھے۔ اُنکو بہت کامیابی ہوئی۔ پر ان دونوں مرہٹوں کی پالیسی روپیہ جمع کرنے کی ہو گئی تھی

جو امرا لڑائی میں مغلوب ہو کر مرہٹوں کے ہاتھ آتے مرہٹے ان سے روپیہ لے کر ان کو چھوڑ دیتے +

آخر غازی الدین قلیچ خاں فیروز جنگ (جد نظام حیدر آباد) مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔ اسنے مرہٹوں کو بہت شکستیں دیں اور سنتا کی بربادی بھی اسی کے ہاتھوں ہوئی۔ سنہ ۱۱۱۱ہجری میں بادشاہ جو مدت سے دکن میں ڈیرہ ڈالے پڑے تھے خود بدولت تسخیر قلعہ جات مرہٹہ کے لئے چڑھے۔ اور کل مشہور قلعے قلعۂ تھانہ سوری۔ قلعۂ ستارا۔ قلعۂ پرنالہ۔ قلعۂ کھیلنا۔ قلعۂ کنڈانہ۔ قلعۂ تورنیا۔ قلعہ واکنکیرا ایک دوسرے کے بعد اقبال عالمگیری سے فتح ہو گئے +

ان قلعوں کے تسخیر کرنے میں طرفین کے بہادروں نے داد جوانمردی دی۔ لیکن ان دیرپا لڑائیوں میں قسمت کبھی اس طرف اور کبھی اُس طرف مہربان ہوتی رہی۔ مرہٹوں کی تاراج کا سبب مغلیہ فوج کو شکست دیکر زیادہ شعلہ زن ہوتا تھا اور پھر زیادہ شوخیاں کرتے تھے۔ لوٹ کھسوٹ ان کا شیوہ ہو گیا تھا۔ زن و مرد کو اسیر کرنے میں بھی فرق نہ کرتے اور مسجدوں اور خانقاہوں کے گرانے میں بھی حتے الوسع قاصر نہ رہتے تھے اورنگ زیب باوجود ان کی اس درجہ کی شوخیوں کے دلجوئی دشمن کی پالیسی کا تا اخیر دم پابند رہا۔ جب کوئی قلعہ فتح کرتا اور قلعہ دار یا دیگر آدمی غنیم کی فوج کے اس کے ہاتھ آتے ہمیشہ نیک سلوک سے اس سے پیش آتا۔ اپنے ہاں ملازم رکھ لیتا۔ اور مناصب مناسب پر سرفراز کرتا تھا۔ مرہٹے جان توڑ توڑ کر لڑے۔ لیکن عالمگیر کے استقلال اور اس کے شیر مردوں کے تہور کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ اور آخر میں ان کو سخت ناکامی ہوئی +

دکن

ہند میں افغانوں کی سلطنت دہلی کے زوال پر جو خود مختار ریاستیں قائم ہوئیں

ان میں دکن کی نظام شاہیہ۔ عادلشاہیہ اور قطب شاہیہ سلطنتیں مشہور ہیں احمد نگر بیجاپور اور گولکنڈہ ان کے دارالسلطنت اور دولت اُن کی خانہ زاد لونڈی تھی۔

جب اکبر کی ظفر رکاب فوجیں کل ہند خاص کو مقبوضات اکبری میں شامل کر چکیں۔ اور حدودِ سلطنت مغلیہ ریاستہائے دکن کے حدود سے جا ملے۔ تو پارٹی مناقشوں نے اکبر کو دکن کے معاملات میں دخل دینے کا خوب موقعہ دیا۔ دکن کی زرخیزی مشہور تھی۔ ایک فریق کے ذرہ سے اشارہ پر مغلیہ فوجیں بسرکردگی شاہزادہ مراد و خان خانان گجرات و مالوا کی طرف سے احمد نگر کے سامنے جا خیمہ زن ہوئیں۔ لیکن داعی امیران کے پہنچنے سے پہلے ہی دار الخلافہ سے نکالا جا چکا تھا۔ اور سلطانہ چاند بی بی مہمات سلطنت کی منتظم تھی۔ چاند بی بی کی مردانہ ہمت اور دانائی نے مغلوں کا منہ پھیر دیا۔ صلح ہو گئی۔ لیکن تھوڑے ہی دن بیچ میں پا کر اکبر نے دکن والوں سے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ پر جب اکبر نے دیکھا کہ بے موجودگی اس کے کام بخوبی سرانجام نہیں پاتا۔ خود بر سر مہم پہنچا۔ اسی اثنا میں پارٹی سپرٹ نے احمد نگر کو شجاعت فش چاند بی بی کی خدمات سے محروم کر دیا۔ ظالموں نے اپنی خود بیخکنی کی۔ اسے مار ڈالا۔ پھر لڑنیوالا کون تھا۔ احمد نگر فوراً تسخیر ہو گیا۔ اور چاند بی بی کے قاتل اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ اکبر ایک سال اس مہم میں مصروف رہا۔ بیجاپور اور گولکنڈہ نے بھی اکبر کو پیشکش ارسال کئے۔ اتنے میں شاہزادہ سلیم کی بغاوت کی خبر پہونچی اور اس خبر نے اکبر کو مجبور کیا کہ سلسلۂ فتوحاتِ دکن کو نامکمل چھوڑ کر ہندوستان واپس جائے۔

جہانگیر کے عہد سلطنت میں ملک عنبر نے دولت نظام شاہیہ کے زوال پذیر جسم میں روح پھونک دی اور مغلیہ یورشیں اس کا بال بیکا نہ کر سکیں۔ بلکہ عنبر نے مغلیہ لشکر کو شکست پر شکست دے کر احمد نگر مغلوں سے پھر چھین لیا۔ جہانگیر نے شاہزادہ خرم کو جو پیچھے شاہجہان کے لقب سے تخت نشین ہوا سنہ ۱۰۲۵ ہجری میں مہم دکن پر مامور

گیا۔ اور خود بھی مانڈو کے قریب اڑے وقت پر مدد کرنے کی غرض سے جا بیٹھا۔ شاہجہان نے چند مہینوں میں ہی مہم کا فیصلہ کر دیا۔ ملک عنبر کو شکست فاش دی۔ اور احمد نگر واپس لیا۔ ملک عنبر نے چار سال بعد پھر سر اٹھایا۔ اور شاہزادہ خرم دکن پہنچا اور غنیم کو شکست دی۔ اور بشرط ادائگی خرچ و حوالگی بعض اضلاع دکن والوں نے مغلوں سے صلح کر لی۔

جب شاہجہان بادشاہ ہوا۔ دکن والوں نے موقعہ پا کر اپنے ریاستوں کے پہلے حدود پھر قائم کر لیے تھے اور باغیان سلطنت مغلیہ کو کھلم کھلا مدد دینی شروع کر دی تھی۔ شاہجہان بذات خود دکن گیا۔ نظام شاہیہ سلطنت کو بڑی خونریزیوں کے بعد ہمیشہ کے لیے صفحۂ روزگار سے مٹا دیا اور بیجاپور اور گولکنڈہ کو بھی قسمت کی بے شمار پلٹوں نے مجبور کیا کہ سلطنت دہلی کے باج گذار بنیں۔ ان لڑائیوں میں جو تقریباً آٹھ سال ہوتی رہیں سیواجی کا باپ ساہو بھوسلہ دکھنیوں کی طرف سے بڑا حصہ لیتا رہا۔ اور بغاوت و فساد کے پھیلانے میں سرغنہ تھا۔

فرمان جو اس وقت شاہجہان کی طرف سے عادل شاہ والی بیجاپور کو بھیجا گیا تھا اور تعہد نامہ والی گولکنڈہ ہم ذیل میں بتبرک القاب نقل کرتے ہیں۔ ان سے بخوبی واضح ہو جائیگا کہ اس وقت دکن کی دونوں ریاستوں کا سلطنت دہلی کے ساتھ کیا تعلق قرار پایا۔ اور اس تعلق کے قائم رکھنے کی کیا شرائط مقرر ہوئیں۔ تعلق کے بارہ میں اتنا اشارہ کر دینا کافی ہے کہ ان عہدناموں نے والیان بیجاپور و گولکنڈہ کو خود مختار ریاستوں کے رتبہ سے اگر سلطنت مغلیہ کے جاگیرداروں کے مرتبہ تک پہنچا دیا۔ اور شاہجہان کی طرف سے بیجاپور اور گولکنڈہ میں رزیڈنٹ بیٹھ گیا۔ القاب جو اس کے بعد خط و کتابت باہمی میں استعمال کئے جاتے تھے وہ بھی اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔

فرمان - عرضداشتیکہ دریں ایام بدرگاہ خلائق پناہ ارسال داشتہ بود رسید و از نظر اشرف اقدس گذشت۔ چون از فحوائے آں عرضداشت و فور اخلاص

و اختیار اطاعت و صدق ارادت آن عدالت و شوکت پناه مفهوم گردید و همان از عرضداشت مکرم خان نیز بذروهٔ عرض رسید و بتحقیق پیوست که هرچه بآن مورد الطاف فرموده‌یم قبول کرده طریق اطاعت و انقیاد اختیار نمود. بنابران تقصیرات گذشتهٔ آن مهبط اعطاف را بعفو و اغماض مقرون ساختیم. و مجدداً در مقام عنایات و مرحمت نسبت بآن عدالت مرتبت درآمدیم. اگرچه پیش ازین هم ما بدولت و اقبال بواسطهٔ اخلاص و خدمات عادل خان مرحوم میخواستیم که از بالنسبت بآن امارت و ایالت دستگاه اصلاً عنایتی بظهور آید و خرابی بممالک آن حشمت مآب راه یابد. اما چون مردم کوته اندیش که بد اندیشن آن امارت مرتبت بودند براهنمائی که ندامت انتهای آن باشد باعث شدند لازم شد که بدین قدر خرابی ملک و مال آن عدالت پناه راضی شویم بهرحال چون از آن راه خطا بشاهراه هدایت برگشت و در هر باب هرچه فرموده‌یم قبول کرد ما بدولت نیز تمام ملکے که از عادل خان مرحوم بآن عدالت مرتبت رسیده بدان زبدهٔ مخلصان مرحمت فرموده‌یم و از ملک نظام الملک هم قلعهٔ شولاپور وغیره محال متعلقهٔ آن که ما از عادل خان مرحوم گرفته به نظام الملک و ملک عنبر داده بودیم و قلعهٔ پرینده و پرگنات نواح آن و بعضے محال کوکن که بنظام الملک متعلق بود با قلعجات آن حدود و پرگنه چاکنه که مجموع پنجاه پرگنه بمجمع بیست لک هون مے بشود بآن شوکت پناه مرحمت فرموده‌یم. و مقرر نموده‌یم که تا وقتیکه آن عدالت پناه و اولاد و احفاد آن حشمت دستگاه بشروطے که در ذیل این فرمان عنایت عنوان که بمنزلهٔ عهدنامه است مرقوم گشته عمل نمایند انشاء الله تعالیٰ هرگز ضررے از ما و فرزندان برخوردار کامگار نامدار عالیمقدار و از اولیاے دولت قاهره بممالک آن عدالت پناه نخواهد رسید. و این معنی نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن و قرناً بعد قرن برقرار و پایدار خواهد بود. و بیست لکھ روپیه پیشکش نقد و جنس بعد معاف نمودن مطالبات باقی که قبول نموده زود برساند. و چون در هر باب آنچه بامارت پناه ارادت و عقیدت دستگاه عمده اکارم عظام سلالهٔ اماجد کرام زبدهٔ مخلصان صلاح اندیش قدوهٔ متخصصان سعادت کیش قطب الملک

حکم شده بود از روے کمال اخلاص و بندگی قبول نمود و از زمرۂ مبتدعان بد اعتقاد آمده
در سلک فرقۂ ناجیۂ اہل سنت و جماعت در آمد و برد شتے که خطبه را در ممالک محروسه
باسامی سامی خلفاے اربعۂ راشدین و القاب نامی نامی مزین ساخته میخوانند خوانده۔
و وجود دراہم و دینار را بنام نامی مازیب و زینت داد قریب پنجاه لک روپیه پیشکش
که بعد از جلوس برد مقرر فرمودیم ارسال داشت ایں معنی مقتضی آں بود که آں قطب
الملک ایالت را رعایتے فرمائیم۔ بنابریں مقرر فرمودیم که از جملہ چہار لک ہون که ہر
سال بنظام الملک حسب الحکم اشرف می رساند دو لک ہون را بسرکار واصل سازد۔
باید که آں عدالت پناه ہم که عمده دنیا داران دکن و راس روس آنہا و بجاے برادر
کلان آں قطب فلک ایالت ست اصلاً و مطلقاً در رسانیدن ضررے بملک آں
قطب فلک شوکت نشود و متعرض محال متعلقۂ او نگردد و تکلیف دادن چیزے از
نقد و جنس نه نماید و بارسال ہدایا و تحف که درمیان بزرگان شمایان بود اکتفا نماید
و ایں معنی را نیز از جملۂ شرطہاے ایں قرار داند۔ چنانچه ما مقرر نمودیم که ساہو و ریحان
شولاپوری و دیگر نوکران معتمد آں عدالت دستگاه را دریں درگاه راه نباشد و ہیچ یک
را بقول و پیمان نزد خود طلب نه نمائیم۔ باید که آں عدالت پناه نیز ہیچ بنده ایں درگاه
را در ملک خود راه ندہد و نوکر نه نماید۔ و ظاہر ست که چوں ساہو جاے دیگر راه ندارد
بآں عدالت مرتبت رجوع خواہد آورد باہم مازون مے سازیم۔ که نوکر نماید اما بایں
شرط که قلاع ترنک وغیره که در تصرف او مانده حوالۂ بندہاے بادشاہی نماید۔ دریں صورت
سواے مصالح توپخانه مزاحم حال و مال و احوال عیال ساہو و ہمراہان او نخواہیم
گردید و اگر ساہو از راه برگشته طالعی بسرکشی پیش آید تا مقدور سعی نموده بسزا رساند۔
یا از تعلقۂ حدود خود اخراج نماید۔ و ہیچ یک از نوکران نظام الملک را نزد خود راه ندہد
و اگر نوکر نمودن ضرور داند نام نظام الملکی بر آنہا اطلاق نه نماید و زود مکرمت خان را
مع عہدنامه پیشکش روانۂ درگاه سازد۔ یا ہم خدا را شاہد ساخته عہد کردیم که ایں قرار
ہمچو سد سکندر بحال ماند و عہدنامه را بدستخط پنجۂ خاص مزین ساختیم و فرمودیم که خلاصه

ایں امان نامہ را بر لوح طلا کہ در ثبات حکم لوح محفوظ خواہد داشت کندہ منقش گردانیدہ نزد آن عدالت پناہ روانہ سازند و باید کہ بحکم ایں آیہ لئن شکرتم لازیدنکم ولان کفرتم ان عذابی لشدید شکر ایں عطیہ را بدل و زبان بجا آرد۔

اس فرمان کے جواب میں عادل شاہ نے جو عرضداشت لکھی اس کے اخیر میں جو غزل خواجہ حافظ تحریر تھی ہم اپنے ناظرین کے لئے ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اسکا پڑھنا خالی از دلچسپی نہوگا۔

غزل

بو تو ہا سحر نہا و حمائل برابرم — یعنی غلام شاہم و سوگند میخورم
شکر خدا کہ از مدد بخت کارساز — کامے کہ خواستم ز خدا شد میسرم
گردید نام شاہ جہان حرز جان من — وز این خجستہ نام بر اعدا مظفرم
شاہا من ار بعرش رسانم سریر فضل — مملوک این جنابم و مسکین این درم
گر باورت نمیشود از بندہ این حدیث — از گفتۂ کمال دلیلے بیاورم
بر من فتاد سایۂ خورشید سلطنت — اکنون فراغت است ز خورشید خاورم
نامم ز کارخانۂ عشاق محو باد — گر جز محبت تو بود شغل دیگرم
اے شاہ شیر گیر چہ کم گردد ار شود — در سایۂ تو ملک قناعت میسرم
عہد الست من ہمہ با مہر شاہ بود — در شاہ راہ عمر ازین عہد بگذرم

تعہد نامۂ عبداللہ خان قطب الملک والی گولکنڈہ۔

تعہد نامۂ مرید موروثی نیک خواہ مخلص فدوی بلا اشتباہ عبداللہ قطب الملک آنکہ چون بندگان اعلیٰ حضرت خاقانی ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی سلیمان مکانی صاحب قران ثانی کہ ہزاران جان گرامی فدائے نام نامی آن حضرت باد از روئے

کرم ایں ناحیہ محقر را بشرط ذیل نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بایں نیازمند درگاہ جہاں پناہ
مرحمت فرمودند ایں مرید موروثی از صدق اعتقاد و وفور اخلاص تعہد مے نماید کہ ہموارہ
دریں ملک خطبۂ چہار یار با صفا را چنانچہ اسم سامی ہر یک ازاں اکابر دیں صریحاً
دراں مذکور شود مزین بنام نامی و لقب گرامی بندگان حضرت خاقانی در جمیع ایام
جمعہ و عیدین لاینقطع میخوانده باشد۔ و ہرگز پیرامون روشیکہ کہ سابق میخواندند
نگردد۔ و پیوستہ بہ زر سرخ و سفید سکہ مبارک کہ از درگاہ عالم پناہ کندہ فرستادہ اند
مے زدہ باشد و نیز قبول نمودم کہ دو لک ہون را کہ ہشت لک روپیہ مے شود از جملہ چہار
لک ہون بابت نظام الملک سال بسال بلا عذر و اہمال بسرکار خالصہ شریفہ واصل
سازم۔ و ہشت لک روپیہ از جملہ سی و دو لک روپیہ کہ تا اخیر سنہ ہشت بطریق
بالمقطع بریں نیازمند درگاہ منقطع شدہ بود و باقی ماندہ نیز با دو لک ہون سالیانہ
بدرگاہ معلیٰ بفرستم۔ و بعد ازیں ہمیشہ با اولیاے دولت عظمے از صمیم قلب یکرنگ
و با مخالفاں از تہ دل دشمن و مخالف باشم۔ و در حضور مولٰنا شیخ عبد اللطیف بر قرآن
مجید دست گذاشتم و قسم یاد کردم کہ خلاف آنچہ تعہد کردہ ام از من سر نزند۔ اگر خدا ناکردہ
مصدر خلاف آں گردم اولیاے دولت قاہرہ در انتزاع ملک من محق خواہند بود۔
و طریقۂ عہد اولیاے دولت کہ صوبہ داری دکن باشد آنکہ چوں ہیچمان بسبب پیش قدمی
ایں نیازمند در قبول اطاعت و بندگی درگاہ جہاں مطاع با من کمر عداوت بستہ اند
اگر احیاناً بعد از معاودت رایات عالیات بمستقر الخلافت از ناعاقبت بینی دست
تطاول بملک نیازمند دراز نمایند ایشاں در دفع شر آں ممد و معاون من باشند۔ و
اگر بسبب اغماض صوبہ دار عادل خانیہ تعدی ازیں عاجز مبلغے بگیرند آں مبلغ دریں
ہشت لک روپیہ پیشکش ہر سالہ مجرا باشد۔ تحریر بشہر ذی الحجہ سنہ ۱۰۴۵ ہجری +

ان عہد ناموں کی تحریر و تکمیل کے بعد دکن کے چاروں صوبوں کی صوبہ داری
اورنگ زیب کے نام مقرر ہوئی اور خود شاہجہان دار الخلافہ کی طرف واپس آ گیا
والیٔ گولکنڈہ عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ اپنی حرکات سے باز نہ آتا تھا۔ خطبہ بنام

شاہ ایران پڑھوا تا۔ اور رعایا پر ظلم کرتا تھا۔ ادائیگی خرچ موعود میں بھی سستی کرنے لگا
اور میر جملہ نام اپنے ایک بڑے با اقتدار امیر سے ناراض ہو کر اس کی بربادی کے درپے
ہوا۔ امیر مذکور نے توسل اورنگ زیب شاہجہان کی خدمت میں رجوع کیا۔
شروع شروع میں میر جملہ کے عرائض پر اورنگ زیب کے ریمارک میر جملہ کے فیوز
رحق میں نہ تھے۔ لیکن جب شاہجہان نے میر جملہ کو بندگان شاہی میں منسلک
کر لینے کا ارادہ ظاہر کیا تو اورنگ زیب بھی اس کا ممد ہو گیا۔ عادل شاہ کو حسب
ایمائے شاہجہان اسنے لکھا کہ میر جملہ کے مال و اسباب کو ضبطی سے واگذار کر کے
اسے خدمت شہنشاہی میں آنے دے۔ میر جملہ امرائے شہنشاہی میں داخل ہو چکا تھا
عادل شاہ کے پاس رسل و رسائل بھیجے گئے اور نامہ و پیام سے اسے سمجھایا گیا لیکن
اس نے میر جملہ کے بیٹے اور دیگر لواحقین کو قید کر لیا۔ میر جملہ خود اس وقت کرناٹک میں تھا
ذلت قید سے بچ گیا۔ دربار شاہی سے اورنگ زیب کے نام حکم پہنچا کہ چڑھائی کرے
جب والی گولکنڈہ نے افواج شاہی کی آمد کی خبر سنی حواس باختہ ہو کر حیدر آباد سے
جو اسکا حاکم نشین تھا گولکنڈہ میں جا کر محصور ہوا۔ حیدر آباد مغلوں نے فتح کر لیا
شاہزادہ نے گولکنڈہ کا محاصرہ کیا تو عادل شاہ کی والدہ معذرت و التماس صلح و صفائی
کے لئے خدمت شاہزادہ میں آئی۔ پیشکش سابق مدت دو سال میں باقساط ادا کرنا
کا وعدہ کیا اور والی گولکنڈہ کی صبیہ کی شادی اورنگ زیب کے لڑکے سے قرار پائی
اور صلح ہو گئی۔ اور میر جملہ امرا میں داخل ہو کر مغلیہ دربار میں پہنچا۔
کچھ دن بعد علی عادل شاہ والی بیجاپور کا انتقال ہو گیا۔ اسکا کوئی وارث نہ تھا
سکندر نام ایک شخص مجہول النسب کو عادل شاہ نے بجائے پسر پرورش کیا ہوا
تھا۔ امرائے بیجاپور نے اسے سلطان بنا دیا اور بعض امرا اس کے برخلاف بھی تھے
شاہجہان سے کسی نے نہ پوچھا کہ تخت نشین کون ہو۔ اورنگ زیب کو حکم ہوا
کہ ملک و قلعہ بیجاپور اپنے تصرف میں لے آوے۔ اور میر جملہ کو حضور سے شاہزادہ
کی مدد کے لئے روانہ کیا گیا۔ اورنگ زیب نے تھوڑے دنوں میں بہت سے قلعے فتح کر لئے

بیجاپور مسخر کر لئے اور بعد ازاں بیجاپور پر چڑھائی کی۔ قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ محصورین نے تنگ آکر صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی۔ اتنے میں شاہجہان بیمار ہو گیا۔ اور دارا برسر کار ہوا۔ اس نے عالمگیر کے ساتھی امراء کو دربار میں طلب کیا۔ چونکہ دارا کی نیت اچھی نہ تھی اور جو کھیل وہ کھیلنا چاہتا تھا اس میں اور بھائیوں کی نسبت اورنگ زیب کا اسے زیادہ ڈر تھا۔ اس تجویز سے اس نے عالمگیر کی طاقت کو پیش از وقت کم کرنا چاہا۔ ایسی حالت میں عالمگیر کا بیجاپور کے نزدیک بیٹھ رہنا اس کے لئے خطرناک تھا۔ چار و ناچار صلح کر کے وہاں سے اٹھ آیا اور فوراً اورنگ آباد میں پہنچ گیا +

ایام خانہ جنگی میں دکن والوں نے پھر سر اٹھایا اور ممالک محروسہ دولت مغلیہ میں تاخت و تاراج کا سلسلہ جاری کر دیا۔ مگر اورنگ زیب کی فوری فتوحات نے ان کے سارے ارادے خاک میں ملا دیئے۔ فرامین عتاب آمیز لکھے گئے۔ اور سر نو عہد و میثاق تازے کیے گئے۔ لیکن دکنی اپنی پرانی بدعادت سے باز نہ آئے۔ ایفائے وعدہ ان کے کوڈ آف مورلز (مجموعہ اخلاق) میں نہ تھا۔ سلطنت مغلیہ کے دشمنوں سے برابر رابطہ و اتحاد قائم رکھتے تھے۔ اور خراج شاہی کے ادا کرنے میں تساہل کرتے تھے +

آخر کار ۱۰۹۱ھ ہجری میں جب اورنگ زیب مرہٹوں کے ساتھ جنگ و جدل میں مصروف تھا ابوالحسن تاناشاہ والی حیدر آباد نے سنبھاجی کی ایک لاکھ ہون نقد سے اور تاخت ملک شاہی اور تسخیر قلعجات مغلیہ سے بھی مدد کی۔ نیز ابوالحسن کے امراء چند سیر حاصل پرگنات شاہی اس دعوے سے کہ وہ پہلے داخل ملک تلنگانہ تھے اپنے تصرف میں لے آئے۔ سید مظفر اپنے وزیر کو علیحدہ کر کے ابوالحسن نے ادنا و اکنا دو ہندوؤں کو اپنا وزیر بنایا۔ اور مادنا و اکنا مسلمانوں پر ظلم و تعدی کرنے لگے۔ سید مظفر کو قید کر لیا اور اسکا بیٹا میر ہاشم عالمگیر کے پاس آکر دادخواہ ہوا۔ ابوالحسن پیشکش واجب کے بھیجنے میں بھی سستی کرتا تھا۔ خان جہان بہادر کوکلتاش

وراجہ رام سنگھ وراجہ مان سنگھ و دیوان بندرابن کے نام حکم جاری ہوا کہ منصوبان ابوالحسن کو تنبیہ و تادیب کریں اور پرگنے ان کے تصرف سے نکال کر تصرف شاہی میں لاویں۔ بعد میں شاہزادہ محمد معظم اور دیگر امرا، وراجہائے نامدار تسخیر تلنگانہ کے لئے رخصت کیے گئے۔ ابوالحسن نے خلیل اسد خاں کو مقابلہ میں بھیجا۔ شہزادہ نے بشرط رفع امور شکایتی معافی قصور کا وعدہ دیا۔ اور لڑائی سے پرہیز کرنے کو آمادگی ظاہر کی۔ خلیل اسد خاں نے مہمل جواب دیا اور لڑائی شروع کر دی۔ ادہر خان جہان کے آدمیوں نے قلعے فتح کرنے شروع کر دیئے۔ اور شہزادہ بھی غنیم پر غالب آتا۔ حیدرآباد کے قریب پہنچ گیا۔ ابوالحسن سراسیمہ ہوکر بھاگا اور قلعہ گولکنڈہ میں جاگزین ہوا۔ اور وہاں سے شاہزادہ کے پاس صلح کے پیغام آنے لگے۔ اس اثنا میں ابوالحسن کے امیروں نے جو ماونا داکنا سے تنگ آئے ہوے تھے۔ انہیں قتل کر ڈالا۔ ابوالحسن کے معذرت طلب ہونے پر بادشاہ نے ابوالحسن کا قصور معاف کر دیا اور اسکے لئے خلعت بھیجی +

لیکن ابوالحسن کی فوج نے سرکاری آدمیوں پر پھر حملہ کیا اور انہیں جان سے مار ڈالا۔ اور ابوالحسن ارسال پیشکش میں پھر تساہل کرنے لگا۔ اور اکڑ بیٹھا۔ بادشاہ بذات خود پہنچے۔ آٹھ مہینے اور دس دن گولکنڈہ کا محاصرہ رہا۔ گولہ بارود ابر برستا رہا طرفین کے بہادروں نے جوانمردی کی داد دی۔ اور آخرکار اقبال عالمگیری سے گولکنڈہ مسخر ہو گیا۔ اور ابوالحسن مقید ہوا۔ عالمگیر نے ابوالحسن سے شاہانہ برتاو کیا۔ اسکی خاطر و مدارات کی اور چند روز کے بعد اسے دولت آباد بھیجدیا اور مناسب حال و اخراجات ابوالحسن اس کا وظیفہ مقرر کر دیا +

سکندر والی بیجاپور جس کا ذکر ہم ابھی کر چکے ہیں احسانات شاہی کو جو اس کے حق میں ہوے تھے بھول گیا۔ اور مرہٹوں کی جو ان دنوں میں افواج شاہی سے لڑ رہے تھے بمال و مردم مدد کرتا تھا۔ اس کی ناہنجاریاں متواتر معروض ہوتی تھیں اور مکرر فرمان نصیحت آمیز از راہ تہدید و وعدہ و وعید صادر ہوتے تھے۔

کچھ فائدہ نہ ہوا۔ شاہزادہ محمد اعظم تسخیر بیجاپور کے لئے مقرر ہوا۔ گرانی اور کمیابی غلہ نے افواج شاہی کو بہت ستایا۔ اور نیز امرائے محمد اعظم میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بادشاہ خود متوجہ بیجاپور ہوئے اور جلوس کے تیسویں سال کے شروع میں بیجاپور کے قلعہ کی کنجیاں بادشاہ کی خدمت میں حاضر کی گئیں اور سکندر مقید ہوا۔ یہ فتح نمایاں غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ جد نظام حیدر آباد کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ بادشاہ نے بدستخط خاص یہ فقرہ لکھ کر واقعہ نگار کل کو درج وقائع کرنے کے لیے دیا۔ "بدستیاری فرزند ارجمند بے ریو ورنگ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ مفتوح گردید" سکندر کو دولت آباد کے قلعہ میں بھیجا گیا۔ اور قلعدار کے نام حکم ہوا کہ سکندر کو مناسب عزت و احتیاط سے قلعہ میں رکھے۔ اور اس کے اخراجات کے مطابق یومیہ مقرر کر دیا گیا۔

انتظام مملکت

اورنگ زیب کے عہد میں فوج شاہی کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ ہر وقت حضور میں رہتا تھا اور دوسرا صوبجات میں۔ حضور میں جو لوگ ہوتے تھے ان سب میں امراء درجہ اول پر تھے۔ اور امراء یکہزاری۔ دو ہزاری۔ سہ ہزاری وغیرہ طبقات کے تھے۔ ان کی تنخواہ تعداد مردم پر نہیں بلکہ تعداد اسپان کے مطابق ہوتی تھی امراء جتنے گھوڑے ان کے خطابات سے ظاہر ہوتے ہیں نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ بادشاہ خود گھوڑوں کی تعداد جو رکھنے ہوتے مقرر کر دیتے تھے۔ لیکن تنخواہ طبقہ کے کل تعداد اسپاں کے مطابق ملتی تھی۔ بعض امراء کو جاگیر مل جاتی تھی جس سے وہ اپنی تنخواہ نکالتے۔ جن کو جاگیر نہیں ملتی تھی وہ تنخواہ خزانہ سے پاتے تھے۔ کسی امیر کے مرنے پر اس کی کل جائداد کا وارث بادشاہ ہوتا۔ اس کی بیوہ کی عموماً پنشن مقرر ہو جاتی۔ بلکہ اس کے کنبہ کے سارے لوگوں کی۔ اگر کسی امیر کی زندگی نے وفا کی تو وہ اپنے بیٹے کو شاہی عنایات کا مستحق بنا کر کوئی عہدہ دلوا دیتا

لیکن عہد ہائے جلیلہ کے لئے چھوٹے رتبہ سے سلسلہ وار درجہ بدرجہ ترقی پانا ضروری تھا۔ حاضر دربار امیر دربار میں دو دفعہ مجرا کے لیئے جاتے۔ ۱۰ بجے صبح کے اور ۲ بجے شام کے۔ اور ہفتہ میں ایک دفعہ ۲۴ گھنٹے قلعہ میں پہرہ دیتے تھے +

دوسرے درجہ پر **منصبدار** تھے۔ ان کو تنخواہ معقول ملتی تھی۔ ان کے فرائض تقریبًا امراء جیسے ہی ہوتے۔ اور اکثر امراء منصبداروں سے ترقی پاکر بنتے تھے۔ اگرچہ پہلے کسی زمانہ میں منصبداروں کے ماتحت سوار بھی ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں امراء میں اور منصبداروں میں ایک یہ بڑا فرق تھا کہ منصبداروں کے ماتحت سوار نہ ہوتے تھے۔ منصبداروں کی تنخواہ ۱۵۰ روپیہ ماہوار سے سات سو روپیہ تک ہوتی تھی۔ اور ان کی تعداد امراء سے بہت زیادہ تھی +

روزینہ دار بھی سوار تھے۔ جو تنخواہ روزانہ لیتے۔ اور بعض روزینہ دار منصبداروں سے بھی زیادہ تنخواہ پاتے تھے۔ ان کی تعداد کثیر تھی۔ درجہ ان کا ادنے اور بہت ان میں سے منشی اور نائب منشی ہوتے تھے +

عام سوار۔ امراء کے ماتحت تھے۔ ان کی دو قسمیں تھیں۔ اول جو دو گھوڑے رکھتے تھے۔ یہ خدمت سرکاری کے لیے مقرر تھے۔ اور ان کے گھوڑے کی رانوں پر شاہی داغ ہوتا تھا +

دوسرے جو صرف ایک گھوڑا رکھتے تھے۔ ایک گھوڑے والے سوار کی تنخواہ ۲۵ روپیہ ماہوار سے کم نہ تھی +

پیادوں کی تنخواہ سب سے کم تھی۔ بعض ۲۰ روپے بعض ۱۵۔ اور بعض ۱۰ روپے ماہوار لیتے +

توپخانہ میں یورپین جو نوکر تھے۔ ان کی تنخواہ ۲۔۳ روپیہ ماہوار ہوتی تھی +

افواج جو صوبجات میں تقسیم شدہ تھیں ان کے طبقات بھی ایسے ہی تھے جیسے حاضر دربار فوج کے۔ البتہ تعداد کا فرق تھا +

حضوری فوج میں سوار قریبًا ۴۰۰۰۰ اور پیادہ تقریبًا ۱۵۰۰۰ تھے

اور کل فوج سوار ۲ لاکھ کے قریب تھے +

تنخواہ امیر سے لے کر سپاہی تک و دیا نہ تقسیم ہوتی تھی +

توپیں چھوٹی اور بڑی پیتل کی بنی ہوئی استعمال کی جاتی تھیں۔ اور تیر و کمان بھی تھے۔ گورنر صوبجات کو اپنی تنخواہ اور اپنے آدمیوں کی تنخواہ کے عوض میں جاگیر ملتی۔ اور اس جاگیر میں سے معاملہ سالانہ کی ایک مختص رقم انہیں پہلے ادا کرنی ہوتی تھی۔ جو زمین اس طرح پر نہیں دیجاتی تھی وہ خاصہ کہلاتی تھی۔ اور ٹھیکہ پر دیجاتی تھی +

گورنر صوبجات امراء کے درجہ سے نیچے کے خطابات عطا کر سکتے تھے۔ اور وہ بشرط منظوری بادشاہ جاگیریں بھی دیتے تھے۔ کل افسران سول و ملٹری کی تقرری و موقوفی گورنر کے اختیار میں تھی۔ البتہ عہدہ داروں کی موقوفی جنکی تقرری خاص فرمان شاہی کے ذریعہ ہوتی تھی۔ گورنر کے احاطۂ اختیار سے باہر تھی۔ اگرچہ انہیں بھی گورنر معطل کر سکتا تھا۔ بشمولیت دیوان وہ اراضی اجارہ پر دیتا۔ لیکن محصول اراضی کی جمع میں اسے کچھ دخل نہ تھا۔ ہاں ضرورت کے وقت اسے منصوبان شاہی کی مدد فوج سے کرنی پڑتی تھی۔ امرا جو اس کے ماتحت فوج میں مامور ہوتے ان کی تنخواہیں عموماً محاصل صوبہ سے ملا کرتی تھیں۔ اور بادشاہ کے اپنے اختیار میں تھیں۔ لیکن گورنر عدول حکمی یا کسی جرم کے سزا میں انکی جاگیریں ضبط کر سکتا تھا۔ دربار میں رپوٹ کی جاتی اور بعد میں حسب الحکم شہنشاہ تعمیل ہوتی +

معاملات عدالت میں قاضی کے حکم کا اپیل گورنر کے سامنے پیش ہوتا تھا لیکن بہت ہی کم ڈگریاں منسوخ کی جاتیں۔ قضایا جن میں جائداد کا کوئی تنازعہ نہ ہوتا اور جنکے لیے کوئی خاص قانون مروج نہ تھا اس کی رائے سے فیصل ہوتے لیکن اسے ہدایت تھی کہ وہ رعایا کو انکے اپنے مقبوضہ۔ تعمیر کردہ۔ یا ان کے آبا و اجداد کے متروکہ اراضی یا مکانات سے ہرگز ہرگز بیدخل نکرے +

صوبجات میں گورنر سے دوسرے درجہ پر **دیوان** ہوتا تھا اور اس کی تقرری خاص فرمانِ شاہی سے ہوتی۔ صوبہ میں وہ محکمہ مال کا افسر اعلےٰ تھا۔ وزیر سلطنت سے براہِ راست اس کی خط و کتابت ہوتی تھی۔ گورنر کے حساب کتاب کی پڑتال کرنا اس کے فرایض میں سے تھا اور چونکہ کل سرکاری روپیہ کے خرچ کا وہی ذمہ وار ہوتا اسے اختیار تھا کہ معقول وجوہات پر کسی نئے خرچ کے لئے روپیہ دینے سے انکار کر دے۔ متصدی۔ قانون گوے۔ کروڑی اور فوطہ دار وغیرہ یعنی کل افسرانِ مال اس کے ماتحت ہوتے تھے۔

ہر ایک پرگنہ میں ایک **کارکن** تھا اور یہ بھی خاص فرمان شاہی سے مقرر ہوتا تھا۔ کاشتکاروں اور افسرانِ مال میں جو تنازعات ہوتے ان کا فیصل کرنا اس کا کام تھا۔ اور رواج پرگنہ کو قایم رکھنا بھی اسی کی سپرد تھا۔ وہ افسران مال کے سرپران کے پرایویٹ اور پبلک معاملات میں ایک قسم کا جاسوس تھا۔ وہ پبلک طور پر ان کا حساب کتاب پڑتال کرتا اور اس حساب کتاب کی نقلیں مصدقہ قانون گوے وچودھریاں وغیرہ ماہوار دربار میں ارسال کی جاتیں۔ دہلی میں یہ حساب کی فردیں دفتر وزیر میں باقاعدہ درج رجسٹر ہوتیں۔ اور وہاں بادشاہ دفتر دیوان میں سے کاغذاتِ حساب پہنچنے سے پہلے ہی صوبہ کی آمدنی پر جھٹ پٹ نظر مار لیتے تھے اور اس طرح سے ان کاغذات کی تصحیح بھی بخوبی ہو جاتی تھی +

محکمہ اپیل کے کل **جج** جو ہر ایک ضلع میں ہوتے تھے۔ فرمان شاہی سے ہی مقرر کیے جاتے انہیں اختیار تھا کہ جس شخص کو چاہیں عدالت میں طلب کریں اور اس کی شہادت قلم بند کریں۔ اور جو سرکاری کاغذات مناسب سمجھیں ملاحظہ کریں +

ہر ایک شہر میں **مفتی** کل معاملات متعلقہ مذہب کا نگران و مہتمم تھا +

قاضی کا معاملات قانون شرع میں مشورہ لیا جاتا +

وقایع نویس شہر کے کل حالات سے بادشاہ کو خبر دیتا تھا۔

بڑے بڑے شہروں میں دو حاکم ہوتے تھے۔ ایک قلعہ کا حاکم جسے **فوجدار**

کہتے تھے اور دوسرا شہر کا۔ جو **نواب** کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ایک دوسرے کے حقوق و فرائض میں بالکل مداخلت نہیں کرتا تھا۔ حاکم شہر خصومات دیوانی میں جج ہوتا اور عموماً جلد فیصلہ کر دیتا تھا۔ اگر کوئی شخص قرضہ کی نالش کرتا تو اسے اپنے مدعا علیہ مدیون کے ذمہ داری کی ثابت کرنے کے لئے یا تو دو گواہ پیش کرنے پڑتے تھے۔ یا حلفیہ بیان دینا ہوتا تھا۔ فوجداری مقدمات **کو توال** فیصل کرتا تھا۔ مجسٹریٹ۔ افسر پولیس۔ اور مہتمم جیلخانجات تھا۔ اور امن و امان شہر کا عموماً ذمہ دار نہ تو حاکم شہر اور نہ ہی کوتوال کسی کو جان سے مروا سکتے تھے۔ اورنگ زیب نے یہ اختیار اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا تھا۔ جب کوئی مجرم سزاوار سزائے موت ہوتا تو بادشاہ کی خدمت میں قاصد روانہ کیا جاتا اور قاصد کے آنے پر شاہی حکم کی فوری تعمیل ہوتی تھی۔ کوتوال دنگا و فساد روکنے کی غرض سے رات کو شہر میں گشت کرتا۔ اور مختلف مقامات پر پہرہ لگاتا تھا۔ گشت کے لئے کوتوال رات کو تین دفعہ نکلتا تھا ۹ بجے شام کے۔ آدھی رات کو اور پھر تین بجے۔ فوجدار کل ضلع کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

عالمگیر خود عموماً ہر روز کچہری میں اجلاس کرتا اور اس نے اپنے مشیر قضیات بڑے متدین و فاضل لوگ چن کر مقرر کیے ہوئے تھے۔ داد رسی میں وہ کبھی نہ تھکنے والا۔ ہوشیار اور پابند قانون تھا۔

ستی کی رسم ان دنوں ہند میں جاری تھی۔ اور اگرچہ بادشاہ نے مذہبی امور میں دخل نہ دینے کے خیال سے اس رسم کو مطلقاً بند کر دینے کا کبھی فرمان جاری نہ کیا۔ لیکن اس رسم کے پورا کرنے میں رحم دل بادشاہ نے کئی رکاوٹیں پیدا کر دیں۔ کوئی عورت ستی نہ ہو سکتی تھی۔ جب تک وہ اپنے سکونتی صوبہ کے گورنر سے حسب ضابطہ اجازت حاصل نہ کر لیتی۔ اور گورنر کے لئے لازم تھا کہ اجازت دینے سے پہلے وہ تحقیقات کلی کرے کہ وہ عورت اپنے اس ارادہ سے باز نہیں رہ سکتی۔ اسکا یہ بھی فرض تھا کہ خود عورت کو سمجھا دے۔ لالچ دے۔ دل لبھانے

والے وعدے دے۔ اور جب وہ اس طرح نہ سمجھے۔ تو اپنی مستورات میں اسے بھیجے۔ تاکہ وہ اسے سمجھاویں اور اس ارادہ سے اسے باز رکھنے کی کوشش کریں اور جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہو تو ناچار اجازت دیدے +

ایک اور بد رسم کا بند کرنا ذیل کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے "حکم معدلت شیم بصوبہ داران و فوجداران الہ آباد و اودھ صادر شد جماعہ کہ اطفال مظلوم را مجبوب میکنند تجسس نمودہ مسلسل و مغلول بدرگاہِ معلے بفرستند و تاکید دانند کہ کسے مرتکب این فعلِ شنیع نگردد" +

صوبجات و آمدنی ہر صوبہ

نمبر شمار	نام صوبہ	تعداد آمدنی (روپے)
۱	الہ آباد	۱۱۴۱۳۵۷۵
۲	آگرہ	۲۸۵۴۴۰۳
۳	اودھ	۸۰۴۲۹۲۷
۴	اجمیر	۱۶۳۰۸۶۴۲
۵	گجرات	۱۱۳۶۸۷۴۸ [?]
۶	بہار	۱۰۱۷۹۵۲۵
۷	بنگال	۱۰۳۱۱۵۹۰۶
۸	دہلی	۳۱۰۳۴۳۷۵۳ [?]
۹	کابل	۴۰۲۵۹۸۳
۱۰	لاہور	۲۲۴۵۳۳۰۲
۱۱	ملتان	۵۳۵۷۵
۱۲	مالوا	۱۰۰۹۹۵۱۶
۱۳	برار	۲۷۲۹۳۱۳۱ [?]

نمبر شمار	نام صوبہ	تعداد آمدنی روپے
١٤	خاندیس	١٤٨٢٣٢٠٨
١٥	احمدنگر دولت آباد	٢٥٠٧١١٩
١٦	ٹھٹھہ	١٧٢٠٤٢٠
١٧	کشمیر	٥٧٤٧٥٠٩
١٨	اڑیسہ	٣٥٥٨٠٢٥
١٩	تلنگانہ وحیدرآباد وگولکنڈہ	٢٧٣٣٨٢
٢٠	بیدر	١٣٢٦٨٥٥٨
٢١	بیجاپور	٥٦٣٧٦٧٨
		روپے ٢٥٦٤١٤٣٠٨

یہ آمدنی تو صرف محاصل اراضی سے ہوتی تھی۔ کل آمدنی اورنگ زیب کے زمانہ کی تخمیناً اسی کروڑ روپے سالانہ شمار کی گئی ہے۔

عالمگیر نے ہندوستان کے ہر ایک بڑے شہر میں ایک مدرسۃ العلوم کی بنیاد ڈالی اور چھوٹے شہروں میں مدرسے جاری کیے۔ طالب علموں کو وظائف لگا دیے اور اساتذہ و پروفیسر جو خزانہ شاہی سے تنخواہ پاتے تھے تعلیم کے لئے مقرر کیے گئے۔ اور مشہور فاضل طالب علموں کی ترقی تعلیم اور استادوں کی توجہ ومحنت کی نگرانی کے لیے عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز تھے۔

غریبوں اور لولوں لنگڑوں کے لیے جابجا سرکاری غریب خانے اور شفاخانے کھولے۔

بادشاہ نے ہر ایک مضمون کی جو کتاب مل سکتی تھی تلاش کرائی اور ہر ایک کتاب کی نقلیں کرا کے عام کتب خانے کھولدیے جہاں طالب العلم بے روک ٹوک جا سکتے تھے اور مطالعہ کر سکتے تھے۔

مغلیہ سلطنت میں سڑکیں بہت عمدہ تھیں۔ ہند کے شاہراہوں پر اکثر دو رویہ

درخت تھے - جہاں درخت نہ تھے ہر پانسو قدم پر پتھروں کا ڈھیر لگا تھا - اور گرد و نواح کے باشندگاں دیہ کا فرض تھا کہ اس ڈھیر پر سفیدی کرتے رہیں تاکہ اندھیری اور بارش و طوفان والی راتوں میں ہرکارہ و مسافر راہ نہ بھول جاوے ہرکارے سواروں سے جلد تر چٹھیاں پہنچاتے تھے - سڑک کے اوپر چھ چھ میل کے فاصلہ پر ہرکاروں کی چوکیاں بنی تھیں - وہاں نیا ہرکارہ موجود رہتا - جب ایک ہرکارہ منزل پر پہونچتا وہ چٹھیاں زمین پر پھینک دیتا - اور دوسرا فوراً اٹھاکر آگے لیجاتا - اور اس طرح سے مغلیہ سلطنت کے اکثر حصے میں خطوط تقسیم ہوجاتے تھے ۔

آگرہ اور دہلی کے اردگرد جمنا کے کنارے پہاڑوں تک اور نیز لاہور والی سڑک کے دونو طرف جنگل تھا - اس جنگل کی پوری حفاظت کی جاتی - اور اس میں سے تیتر - بٹیر - اور خرگوش کے سوا اور کسی قسم کا شکار پکڑنے کی اجازت نہ تھی - یہاں بادشاہ خود شکار کھیلتے تھے ۔

ہند میں مسافر کو فرانس یا اٹلی کی نسبت زیادہ آرام ملتا تھا - بیل - بہلی یا پالکی کی سواری ہوتی تھی - گھوڑے اور گدہے غیر مستعمل تھے ۔

بعض اوقات گرمی کی وجہ سے رات کو سفر اور دن کو مقام ہوتا تھا - ایسی حالت میں مسافر شام کو ہی کل فصیل والے شہروں سے باہر چلے جاتے کیونکہ قلعہ دار جو غارت و تاراج شہر کا ذمہ وار تھا شام کو شہر کے کل دروازے بند کردیتا تھا ۔

باشندگان ہند عموماً بہلی میں جس میں دو بیل جتے ہوتے سفر کرتے - اور اس میں دو آدمی بیٹھ سکتے تھے - بہلی کا کرایہ ایک روپیہ روزانہ تھا - آگرہ سے سورت جانے میں چالیس دن خرچ ہوتے - امراء اور دولتمند پالکی میں سفر کرتے - اور پالکی چھ آدمی اٹھاتے تھے - اور ایک آدمی دھوپ والی طرف چھاتہ لگائے ہوتا تھا - پالکی والوں کی تنخواہ ۴ روپے ماہوار ہوتی - لیکن اگر سفر ۶۰ دن سے

زیادہ کا ہوتا تو ۵ روپے ماہوار +

بہلی یا پالکی میں عزت سے سفر کرنے کے لیے بیس یا تیس مسلح سپاہی کرایہ پر لینے پڑتے اور انہیں تنخواہ بھی پالکی والوں کے حساب سے ہی دینی ہوتی تھی۔ سپاہی شان و شوکت اور نیز حفاظت کے لیے ضروری تھے۔ وہ رات کو پہرہ دیتے تھے۔ بڑے شہروں میں جہاں سے یہ سپاہی ملازم رکھے جاتے ان کا ایک چوہدری ہوتا تھا جو ان کے نیک چال چلن اور وفاداری کا ذمہ وار تھا۔ چوہدری ہر ایک آدمی سے اس ذمہ واری کے عوض میں دو روپے لے لیتا تھا +

باربرداری کے لیے بھی عرابے یا بیل استعمال کیے جاتے۔ گھوڑے اور گدہے بوجھ لادنے کے کبھی کام نہ آتے تھے۔ البتہ بعض اوقات اونٹ لاد جاتے تھے۔ اور وہ بھی جب بڑے امرا کا اسباب لیجانا مقصود ہوتا تھا۔ اکثر دس دس۔ بارہ بارہ۔ ہزار بیل گیہوں۔ دال۔ چاول۔ یا نمک ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے اور وہاں سے ان چیزوں کے بدلے وہاں کی چیزیں لے آتے تھے۔ ان بیلوں کے مالک بنجارے کہلاتے تھے۔ یہ لوگ خانہ بدوش تھے اور مال تجارت ادہر سے اودہر لیجا کر اپنا گزارہ کرتے تھے۔ ان کے عیال و اطفال ساتھ ساتھ ہوتے اور خیموں میں رہتے تھے۔ کسی کے پاس سو بیل اور کسی کے پاس اس سے کم یا زیادہ ہوتے تھے +

عرابوں کے کاروان میں سو۔ دو سو گاڑیاں ہوتی تھیں ہر ایک گاڑی کے ساتھ ۱۰ - ۱۲ بیل جتے ہوئے اور چار سپاہی۔ ان سب کا کرایہ مال تجارت کے مالک کے ذمہ ہوتا تھا +

عالمگیر نے رفاہ عام کے لیے کابل سے اورنگ آباد تک اور گجرات سے بنگال تک آگرہ کے رستہ ہر ایک منزل پر سرائیں بنا دیں۔ اُن کے اخراجات خزانہ شاہی سے ملتے۔ بلکہ پکانے کے برتن تک بھی سرکاری ہوتے تھے۔ اس کے پہلے بادشاہوں نے جو مکانات اسی قبیل کے شاہراہوں کے سوا دوسرے رستوں

پر بنائے ہوئے تھے۔ ان کی مرمت کی۔ چھوٹے دریاؤں پر انہوں نے پل باندھے اور بڑے دریاؤں سے عبور کرنے کے لیے کشتیاں مہیا کر دیں۔

مغل امیر کا مکان ایک باغیچہ کے اندر واقع ہوتا تھا۔ مکان کے اندر صحن۔ صحن میں حوض۔ اور حوض میں چھوٹے چھوٹے فوارے۔ اور بعض مکانات میں حوض کے پاس خس خانے بنے ہوتے تھے۔ مکانوں کے نیچے خوبصورت تہ خانے یا سرد خانے بھی تھے۔ اندر مکان کے چار بڑے دیوان جن کی کرسی قد آدم برابر ہوتی تھی نظر آتے اور اندرون مکان چار انچہ موٹی دری کا فرش ہوتا جس پر گرمیوں میں سفید چادر اور سردیوں میں قالین بچھا ہوتا تھا۔

کمرہ کے صدر کی طرف مکلف فرش دکھائی دیتا اور تکیے ریشمی غلاف والے ادھر اودھر پڑے ہوتے تھے۔ فرش سے پانچ چھ فیٹ اونچے کمرے کی دیواروں میں خوشنما طاق مختلف شکلوں میں بنے ہوتے اور ان میں چینی کی صراحیاں اور پھولوں کے گملے نظر آتے تھے۔ چھت اکثر منقش و مرصع ہوتے تھے۔

مغل خوش پوش تھے اور سنجیدہ مزاج۔ ان کے کمر میں ہمیشہ خنجر آویزاں ہوتا تھا۔ اجنبی لوگوں سے با اخلاق پیش آتے۔ دروازہ میں مہمانوں کا استقبال کرتے۔ اور مکانِ نشست میں صدر کی جگہ انہیں لے جا کر بٹھاتے تھے۔

سورت میں سو سے زیادہ مغلوں کے جہاز تھے جو انگریز جہاز بنانے والوں کے بنائے ہوئے تھے۔ علاوہ ان کے چھوٹی کشتیاں بھی تھیں۔ تجارتی جہازوں کے سوا ۳-۴ بڑے بڑے جنگی جہاز بھی تھے۔ اورنگ زیب نے چار بڑے جہاز حاجیوں کو مکہ معظمہ بلا کرایہ لے جانے کے لئے نوکر رکھے ہوئے تھے۔

غلہ ان دنوں میں بہت سستا تھا۔ چنانچہ بنگال میں چاول پیسہ کے سیر ملتے تھے۔ کھانے پینے کی دوسری چیزیں بھی ارزاں ملتی تھیں۔ مثلاً مرغیاں روپیہ کی بیس بکتی تھیں۔

کیریکٹر

اورنگ زیب میانہ قد اور نازک بدن تھا۔ اسکا رنگ گندمی اور اس کی ناک لمبی اور ڈاڑہی گول تھی۔ اس نے نوے سال سے زیادہ عمر پائی لیکن اس کے قوے میں تا دمِ اخیر کسی قسم کا فتور نہ آیا۔ قوت باصرہ خصوصًا ایسی عمدہ رکھتا تھا کہ مرتے دم تک عینک استعمال نہیں کی۔ خط و کتابت اپنے ہاتھ سے اور عرائض و دیگر کل کاغذات سرکاری بچشم خود ملاحظہ کرتا رہا +

اگرچہ اس کی جسمانی طاقت کوئی اتنی زیادہ نہ تھی مگر فنونِ جنگ میں از حد چست تھا۔ تیر اندازی میں طاق۔ برچھا مارنے میں پورا مشاق۔ اور گھوڑے کا ایسا پکا سوار تھا کہ سواری میں کوئی بھی اس کے برابر نہ جا سکتا تھا۔ بندوق چھوڑنے اور نشانہ لگانے میں وہ مہارت حاصل کی تھی۔ کہ سرپٹ دوڑتے گھوڑے پر سے ہرن کا شکار کرتا تھا +

تہور و مردانگی اور خطرہ کے وقت استقلال اورنگ زیب کے مشہور اوصاف ہیں۔ بلخ و بدخشاں کے جنگ۔ قندہار کے محاصرہ اور دکن کے میدانوں میں اورنگ زیب کے ایام شاہزادگی کے کارنامے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس چھوٹی سی عمر میں یہ جرأت اس کے دل میں کہاں سے آگئی۔ اس کی جوانمردی اور استقلال کے واقعات جو بعد از تخت نشینی ظہور میں آئے حضرتِ انسان کے فضائل کا نقشِ عظمت لوحِ دل پر جماتے ہیں +

فضولیات سے نفرت خدا نے اس کی طبیعت میں ڈال دی تھی اس لیے وہ بچپن میں لہو و لعب سے اور جوانی میں عیش و عشرت سے کبھی مانوس نہ ہوا جبلی متانت نے اسے مذہب کا شوق دلایا۔ اور ابھی بچہ ہی تھا کہ صوم و صلوٰۃ کی پابندی میں ہمجنسوں میں نمازی اور متقی مشہور ہو گیا۔ اسکا اتقا اعلے درجہ کا تھا۔ ساری عمر باوجود اس حشمت و جاہ کے جو دنیا بھر میں کم شہنشاہوں کو نصیب ہوئی ہے

خزانہ عامرہ سے ذاتی اخراجات اکل وشرب میں ایک دام تک خرچ نہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے کلام مجید لکھتا اور اس کے ہدیہ سے اپنی روکھی سوکھی روٹی کھاتا تھا۔ اس کی نوکر وخدمتگار بھی جو نعمتیں کھاتے تھے خدا پرست شہنشاہ نے کبھی نہ چکھیں ۔

اگرچہ بموجب رواج اور تمکنت کے اغراض سے اس کے حرم میں بہت سی عورتیں تھیں لیکن وہ اپنی منکوحہ بیویوں کے سوا اور کسی سے ہمبستری نہ کرتا تھا۔ اور ان سے بھی یکے بعد دیگرے یعنی ایک کے مرجانے یا ضعیف ہوجانے کے بعد دوسری کے نزدیک جاتا تھا ۔

روزانہ تلاوتِ فرقان۔ پنج وقتی نماز اور رمضان کے روزے مرتے دم تک نہ چھوڑے۔ وفات کے ایک مہینہ پہلے ماہِ رمضان جو آیا کل روزے رکھے۔ تراویح خوانی اور نماز فرض وسنت کے ادا کرنے میں باوجود ضعف وبیماری ذرہ بھی کوتاہی نہ کی۔ بلکہ برستی آگ اور چلتی تلواریں بھی نماز بھولے سے قضا نہ کی ۔

اورنگ زیب حنفی المذہب۔ اور اولیاء وفقراء کا پورا معتقد تھا۔ لیکن چونکہ خود مذہب سے واقفیت کلی رکھتا تھا جو فروش گندم نما فقیر یا ولی کا سخت دشمن تھا۔ حضرت سید محمد گیسو دراز و حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہما کے مزاروں پر دکن واجمیر میں جب کبھی موقع پاتا زیارت کے لیے جاتا اور ہزارہا روپیے خادمانِ درگاہ کی نذر کرتا تھا ۔

۰ اپنے زمانہ کے زندہ درویشوں میں سے میر عرب کی عظمت اس کے دل میں بہت تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ شاہزادہ محمد اعظم کو لکھتا ہے "فرزند عالی جاہ۔ در احمد آباد میر عرب درویش را دیدہ اند۔ البتہ باز بروند وسلام ایں شرمندۂ حقیقی وطالب دنیا را ابلاغ نمایند۔ وخیر عواقب امور وسلامت ایمان از دل وجان مسالت کنند دبگویند کہ نزدیکی باجل ودوری از حسن عمل عمراز غافل بجاہل گذشت۔ و قدریکہ باندہ نیز لا حاصل میرود۔ قدم سیاست پیش میرود فکر نجات پس سر۔ فرد

آنچہ ما کردیم برخود ہیچ نابینا نہ کرد
درمیان خانہ گم کردیم صاحب خانہ را

مساکین و غربا کو اپنے ہاتھ سے خیرات تقسیم کرتا۔ جب دربار عام میں بیٹھتا اس مطلب کے لیے ہمیشہ روپے پاس رکھ لیتا تھا۔ تحمل و بردباری میں بچپن سے ہی مشہور تھا بقول اس کے "جمعیکہ باشارۂ برادر نامہربان (دارا شکوہ) حرکات ناملایم کردہ حرفہائے بے ادبانہ بر زبان آوردند تا زبانہ اغماض و تحمل متنبہ شدہ از سر انصاف اقرار بصاحب حوصلگی ما کردند تا نقش سرداری و بہادری ما بر لوح خاطر اشرف اقدس اعلٰے حضرت مرتسم گشت"۔

ایام بادشاہزادگی میں ہی امراء سے ایسا سلوک کرتا تھا کہ سب خوش تھے اور حضور و غیبت میں بخوشدلی اس کی تعریف و توصیف کرتے تھے "بل باوصف اقتدار دارا شکوہ ترک رفاقت او (دارا شکوہ) کردہ" اس کی ملازمت میں آگئے۔ بڑے ہوکر بھی عالمگیر کی اس خصلت میں کچھ تغیر پیدا نہ ہوا۔ ہر وقت اس کا چہرہ بشاش نظر آتا اور مروت و شفقت کے آثار اس پر نمایاں ہوتے تھے۔ جو لوگ عالمگیری عدل و انصاف کے واقعات سنکر دور سے کانپتے تھے۔ بادشاہ کی شکل دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے۔ اور اسکے سامنے آکر بڑی آزادی اور اطمینان سے گفتگو کرتے تھے۔ عالمگیر کا مشفقانہ رویہ ان کے دلوں میں اس کی طرف سے اعتبار پیدا کر دیتا۔ اور اپنے منصفانہ فیصلوں سے بادشاہ لوگوں کے دلوں میں جائے عزت حاصل کرتا تھا۔

عفو کی خصلت اس میں بدرجہ کمزوری پائی تھی۔ جو شخص ایک دفعہ مغلوب ہو جاتا اس کے ساتھ عالمگیر بہت نرمی اور شفقت سے پیش آتا تھا۔ یہانتک کہ بعض اشخاص اغماض سے دلیر ہوکر گستاخیاں بھی کرتے تھے۔ عالمگیر کہتا کہ "قصاص اگرچہ از آئین عدالت ست مگر دل آزاری موجب ناخوشنودی حضرت باری ستازینجا است کہ گفتہ اند ع

در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست

جب کسی ملازم سے آپ بہت ناراض ہوجاتے تو اس کی آخری سزا یہ ہوتی تھی کہ وہ منصب سے تو معزول کیا جاتا اور مکہ معظمہ بھیج دیا جاتا تھا۔ اور اگر وہ کبھی واپس آجاتا تو اسکا قصور معاف اور بحالی منصب بھی ہوجاتی تھی +

خوشامد گویوں کو وہ بنظر حقارت دیکھتا اور برے چال چلن والوں کو اسکے ہاں بار نہ تھا۔ خوشامد گویوں کی نسبت اس کا خیال تھا کہ وہ لوگ اس کی رائے کی تحقیر کرتے ہیں۔ اور بدمعاشوں کی نسبت وہ کہتا تھا کہ یہ جماعت اس کی حیثیت محافظ اخلاق و بال عامہ خلائق پر دھبہ لگاتی ہے۔ مطرب و مغنی کو اس نے دربار سے نکال دیا۔ کہ یہ متانت و صلاحیت کی ضد ہیں۔ اور نقالوں۔ بھانڈوں اور مسخروں کو محلات شاہی سے علیحدہ کردیا کہ یہ غیر مفید فرقہ انسانی ہیں +

اسکا لباس ہمیشہ سادہ ہوتا۔ صرف جشن شاہی کے دن زردوزی مرصع لباس پہنتا تھا۔ دن میں دو دفعہ پوشاک بدلتا اور پاکیزگی اور صاف ستھرا رہنے میں بالخصوص احتیاط رکھتا تھا +

عالمگیر منصف مزاج تھا۔ قواعد سلطنت کی پابندی میں غیر تو بھلا غیر ہی تھے اپنے بیٹے اور پوتوں تک کا بھی لحاظ مطلقاً نہیں کرتا تھا۔ شاہزادہ محمد معظم کے ایک خط کے جواب میں آپ لکھتے ہیں۔

"عہدہ پور خلافت برائے اضافہ پسر چارمین کہ ظاہر البسیار دوست میداشتند عرضداشتیکہ نوشتہ بودند بمطالعہ در آمد۔ بیشی مراتب خورد و بزرگ امکان ندارد۔ طرفہ ترا اینکہ آن فرزند کہ خبر خانہ خود ندارند خبر چہ داشت پسراز کجا یافتند بہرحال ع

حرمت زمانہ باز کہ این ہم غنیمت ست

بپاس خاطر آن فرزند دیگر رعایت کردہ خواہد شد +"

رعایا کی بہبودی اسے ہر وقت مدنظر تھی۔ قدیم رواج شاہان اسلام کے بموجب قصبہ قصبہ میں اس کے جاسوس مقرر تھے منصوبان سلطنت کو تقرر جاسوساں کا تو علم تھا لیکن اشخاص مقرر شدہ سے وہ بالکل ناواقف ہوتے تھے۔ اس محکمہ جاسوسی کے

ذریعہ عالمگیر کو اپنی رعایا کے حالات سے جن کو وہ پیارے نام "ودائع بدائع آلہی"
سے یاد کرتا تھا واقفیت کلی ہوتی تھی۔ شاہزادے اور دوسرے حکام ہر وقت ڈرتے
رہتے تھے۔ انہیں رعایا پر ظلم کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوتی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خفیف
سی باتیں بھی عالمگیر کے کانوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ جب کبھی شکایت پہنچتی اور سچی شکایت
ہوتی پہلے نصیحت۔ پھر دھمکی اور آخر میں عہدہ سے برطرفی سزا ہوتی تھی۔ امراء
مقہور جب دربار میں حاضر آتے۔ تو ان کا تحریری فرد جرم مفصل ان کے ہاتھ میں دیدیا
جاتا۔ جاگیرات وخطابات ضبط سرکار ہوجاتے اور مغضوب کو ہر روز اپنی حالت کذائی
میں حاضر دربار ہونا پڑتا تھا تاکہ دیکھنے والے عبرت پکڑیں۔ حیثیت جرم کے بموجب
سزا کی میعاد مقرر ہوتی۔ بعد میعاد مقررہ بحالی منصب ہوجاتی۔ البتہ جو لوگ جرایم
شنیعہ کے مرتکب ہوتے انہیں ہمیشہ کے لیے ملک بدر کردیا جاتا تھا۔

اورنگ زیب طبعاً نرم دل اور مصلحتاً میانہ رو تھا۔ اسکے زمانہ میں سزائے قتل بالکل
ممنوع تھی۔ اسکے بھائیوں کے حامی جو اسکے مقابلہ میں لڑتے رہے تھے جب مغلوب
ہوگئے تو عالمگیر کی رحمدلی نے ان کے کل قصور معاف کردیے اور جب انہوں نے اطاعت
اختیار کی تو عالمگیر نے ان سے ایسا عمدہ برتاؤ کیا کہ انہیں مدۃ العمر کے لیے اپنا گرویدہ
کرلیا۔

مستغیثوں کو اصالتاً فریاد کرنیکا دن میں دو دفعہ موقعہ دیتا۔ عام خاص میں جو
عام لوگ جمع ہوتے ان کی عرضیاں بادشاہ کے روبرو لی جاتی اور پڑھی جاتی تھیں۔
جس شخص کے عرضی پیش ہوتی۔ اسے نزدیک بلایا جاتا اور بادشاہ بذات خود اسے
استفسار حالات کرکے عموماً فی الفور فریق مظلوم کی حق رسی کرتے تھے۔

اسنے جابجا وکیل شاہی مقرر کردیے کہ جس کسی کو بادشاہ کے ذمہ مطالبہ یا دعوے
شرعی ہو وکیل کے سامنے جو قاضی کے ساتھ بیٹھتا تھا اپنا ثبوت پیش کرے۔ اثبات
پر اسکا حق دلایا جاویگا۔

محکمہ اپیل میں اگر عدالت ماتحت کا فیصلہ منسوخ ہوتا اور مقدمہ بادی النظر میں ایک

صاف نظر آتا عالمگیر حاکم عدالت ابتدائی کو معزول کر دیتا تھا۔ کیونکہ وہ کہتا تھا کہ ایسی حالت میں یا تو حاکم ناقابل عہدہ عدالت ہے یا دیانتدار نہیں۔ اور دونوں صورتوں میں اس کی معزولی لازمی ہو جاتی ہے۔ یہ رائے اس کی بہت مفید ثابت ہوئی۔ حاکمان عدالت کو برطرفی منصب کا خوف جو لگا رہتا تھا بڑی دیانت و غور سے تجویز مقدمات کرتے تھے۔

بیٹوں کی صوبہ داریوں میں ان کے عاملوں کی ویران کاری کی خبر پا کر انہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا۔ اور غضب شاہی کے نتیجہ سے دھمکاتا تھا "محاسبان تحقیقی ظلم عمال بنام ما و شما می نویسند۔ جزا سے اعمال حق دانستہ باحوال سکنہ آنجا وارسند والا جاگیر تغیر خواہد شد و عوض نخواہند یافت"۔

دوسرے موقعہ پر لکھتا ہے:۔

"حیرانم کہ در وقت جزا سے اعمال چہ جواب خواہیم داد۔ حق سبحانہ تعالےٰ عادل است اگر ظالم را کافر بانیم ہر عذابیکہ از ظالم ماموریا بہ ما آید عدل حسنت و بآں سزاواریم کہ ظالم را زجر دادن و بداد خواہاں نرسیدن در معنی خود بخود ظلم بودن ہست۔ بیت

گندم از گندم بروید جو ز جو

از مکافات عمل غافل مشو"

ہم اس کے رقعات سے دیکھتے ہیں کہ ضعیف صد ضعیف با وصف دعویٰ جہانبانی ایں ہمہ غفلت و نسیانی" کے طعنوں سے شاہزادوں کو رعایا کے حال کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ "اور ادائے حقوق ریاست کہ شرعاً و عرفاً واجب آمدہ" کا تقدم اور سب کاموں پر جتا کر "شمارا ذوق صید افگنی و مارا شوق قلاع شکنی و خرس بچگاں را گرفتنی" کے باہمی مقابلے سے مردانگی کی روح ان کی لہو و لعب پسند طبیعتوں میں پھونکتا ہے

رعیت پروری کے خیالات سے جو اسے ہر وقت بے چین رکھتا تھا اس کی نگاہیں سلطنت کے پرلے سرے تک برابر دیکھ رہی ہوتی تھیں۔ اور بیوپاریوں اور مسافروں کے انٹرسٹ ہمیشہ مد نظر رکھتی تھیں "فرزند عالیجاہ۔ باظہار جاسوساں معلوم شد

کہ شاہراہ از بہادر پور تا خجستہ بنیاد خالی از مخاطرہ نیست قطاع الطریقان مال بیوپاریان
و مسافرین بغارت مے برند و مترددین بامنیت نمے توانند آمد و رفت نمود۔
ہر گاہ در قرب لشکر بادشاہ ایں حال بودہ باشد واے بر حال طرق دور دست
معلوم مے شود کہ منہیان اخبار معتبر آں فرزند نمے رسانند۔ ازانجا کہ غفلت و
بے پرواہی خلاف طریق ریاست و جہانبانی ست۔ کاتبان جدید تعین نمایند و
عملہ و فعلہ پیشین را بسزا رسانند و فوجے مستعد مقرر سازند کہ استیصال مفسدان
از بیخ و بن کردہ شاہراہ از شر جماعت حرامیاں پاک سازند۔ ننگ بدعملی تا کے گوارا
تواں کرد۔ بیت

سخن نمیگویم زباں کن یا بفکر سود باش
اے ز فرصت بیخبر در ہر چہ باشی زود باش

ایک دفعہ ایک بڑے امیر نے اورنگ زیب سے عرض کیا کہ حضور جو کام میں اسقدر
مصروفیت فرماتے ہیں اس سے اندیشہ ہے مبادا صحت جسمانی بلکہ قواے دماغی کی
اعتدال اور طاقت کو کچھ نقصان پہنچے۔ یہ بات سنکر بادشاہ نے اس عقلمند ناصح
کی طرف سے تو منہ پھیر لیا گویا سنا ہی نہیں اور ذرا ٹھیر کر ایک اور بہت بڑے امیر
کی طرف جو نہایت دانا اور ذی علم تھا متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ تمام اہل علم اسباب
میں متفق الراے ہیں کہ مشکل اور خوف کے زمانہ میں بادشاہ کو جان جوکھوں میں
پڑ جانا اور ضرورت کے وقت رعایا کی بہتری کے لئے جو خدا نے اس کے سپرد کی
ہے تلوار پکڑ کر میدان جنگ میں جان دیدینا فرض و واجب ہے۔ مگر اس کے برعکس
یہ نیک اور باتمیز شخص یہ چاہتا ہے کہ رعایا کے کہ ان کی رفاہ و فلاح کی تدبیروں
کے سوچنے میں مجھے ایک رات بھی بے آرام رہنا پڑے یا ایک دن بھی بے عیش و عشرت
اور لہو و لعب کے بسر ہو یہ مدعا یوہیں حاصل ہو جائے اور اس کی یہ راے ہے
کہ میں صرف اپنی تندرستی کو مقدم جانوں اور زیادہ تر عیش و عشرت اور آرام و
آسایش ہی کے امور میں مصروف رہوں۔ اور اسکا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے کہ میں اس

وسیع سلطنت کے کام کو کسی وزیر کے بھروسہ پر چھوڑ بیٹھوں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اسنے اس امر پہ غور نہیں کیا کہ جس حالت میں مجھے خدا نے بادشاہی خاندان میں پیدا کرکے تخت پر بٹھایا ہے تو دنیا میں اپنے ذاتی فائدہ کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اوروں کے آرام کے لئے محنت کرنا مجھ پر فرض کیا گیا ہے۔ پس میرا کام یہ نہیں ہے کہ اپنی ہی آسایش کی فکر کروں۔ البتہ انہیں کے رفاہ کی غرض سے جس قدر آرام لینا ضروری ہے اسکا مضایقہ نہیں اور بجز اس حالت کے کہ انصاف و عدالت اس کی مقتضی ہو یا اقتدار سلطنت کے قائم رکھنے یا ملک کی حفاظت کے لئے ضروری ہو اور کسی صورت میں رعایا کے آرام و آسایش کا نظر انداز کرنا جائز نہیں ہے۔ اور رعیت کی آسایش و بہبودی ہی ایک ایسی چیز ہے جس کا فکر مجھے ہونا چاہیے۔ مگر یہ شخص اس بات کی تہ کو نہیں پہنچا کہ اس آرام سے جو یہ میرے لئے تجویز کرتا ہے۔ کیا کیا قباحتیں پیدا ہونگی۔ اور یہ بھی اس کو معلوم نہیں کہ دوسروں کے ہاتھ میں حکومت کا دے دینا کیسی بری بات ہے اور سعدی نے جو یہ کہا ہے کہ بادشاہوں کو چاہیے کہ بذات خود کار و بار سلطنت کا بوجھ اپنے اوپر لیں ورنہ بہتر ہے کہ بادشاہ کہلانا چھوڑ دیں۔ تو کیا اس بزرگ کا یہ قول لغو ہے؟ پس اپنے اس دوست سے کہدیجیے کہ اگر ہم سے تحسین و آفرین حاصل کرنا چاہتا ہے تو جو کام اس کے سپرد ہے اس کو اچھے طور سے کرتا رہے۔ اور خبردار! ایسی صلاح جو بادشاہوں کے سننے کے لائق نہیں ہے پھر کبھی دے۔ اور افسوس ہے کہ تن پروری اور آرام طلبی اور ایسے خیالات سے بچنا جو دوسروں کی بہبودی کے فکر و تردد میں آدمی کو گھلا ڈالتے ہیں۔ انسان کا طبعی اور جبلی امر ہے۔ پس ایسے فضول صلاح کاروں کی ہم کو حاجت نہیں اور عیش و آرام کی صلاحیں تو ہماری بیگمیں بھی دے سکتی ہیں"۔

مردم شناسی میں عالمگیر پورا ماہر تھا۔ چنانچہ باپ کو لکھتا ہے کہ "بر ضمیر صفا اعلیٰ حضرت ہویدا است کہ این مرید از سن ہژدہ سالگی بخدمت صوبہ داری قیام می نماید ہرگز خدمت پادشاہی را بے جا تجویز نکردہ و الا چگونہ درجہ پذیرائی یافتے

تاحال ہیچکس از تجویز کردہا ے این فدوی مصدر رام رکیہ نبایدنشد "۔

عالمگیر کا مقولہ تھا کہ "آدم خوب مثل طلائے بے غش ست" و "نفاق با مردم کار ضایع کار ست"۔ جب کوئی آدم خوب اس کے ہاتھ آجاتا۔ تو اس کے مالا مال کرنے میں عالمگیر کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا تھا اور اس کی عزت افزائی سے خوش ہوکر ہمیشہ اس کے دل بڑھانے میں توجہ مبذول رکھتا تھا۔ اگرچہ اس کی رائے کے بموجب "جوہر دیانت و امانت خلقت انسانی میں جبلی ہے" جس کسی کو اللہ جل شانہٗ نے مرحمت کیا ہو۔ لیکن وہ کہتا تھا کہ "ہمت و انصاف آقا را نیز دخلے ہست کہ نوکر را مرفہ الحال و از وجہ معاش مقدار احوال فارغ البال دارد تا ضرورت عالم تعلق خلل انداز اعتقاد او نشود ع

کہ مزدور خوشدل کند کار بیش

اورنگ زیب آدم خوب کا خواہاں تھا۔ ہندو ہو یا مسلمان۔ وہ کارنامے دیکھتا تھا نہ مذہب۔ چنانچہ ذیل کے رقعہ سے جو اس نے شاہزادہ محمد اعظم کو لکھا ہے ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

" فرزند سعادت توام محمد اعظم حفظہ اللہ تعالےٰ وسلم۔ از وقائع صوبۂ مالوا بعرض رسید کہ پہاڑ سنگہ کور باطن کہ از کمال نخوت و پندار مایہ شور و فساد شدہ مصدر ہنگامہ آرائے بود از دست تلوک چند پشید ست دیوان آں فرزند اجمند کشتہ شد و بجہنم واصل گشت الحمد للہ علی کل حال بیت

اے خدا قربان احسانت شوم

ایں چہ احسانست قربانت شوم

فی الحقیقت ظہور ایں امر نتیجہ فیض تربیت آں فرزندست کہ نوکران را دل دادہ سرگرم کارہائے عمدہ بادشاہی مے کنند۔ بایں توجیہ کہ تہنیت خالی بر زبان نیاید مالائے مروارید قیمتی پنجاہ ہزار روپیہ برائے آں فرزند مرحمت فرمودیم۔ و چوں ایں ہندو بہمان مثل راست آوردہ کہ گویا کنجشک مردانہ بازی رازدہ او را منصب پانصدی

ذات وصد سوار و خطاب راے و عطاے خلعت و شمشیر و اسپ سربلندی بخشیدیم آن فرزند ہم رعایتے درخور کہ موجب امتیاز او در امثال و اقران تواند بود التماس نشان تحسین و آفرین و استقلال نیابت صوبہ بفرستند تا نوکران دیگر را ہوس حسن خدمت و امید نتیجہ افزائد۔

عالمگیر مردم خوب کا یہانتک قدر شناس تھا کہ جو لوگ اسکے مقابلہ میں بڑی بہادری سے لڑتے تھے بلکہ جنہوں نے خود اس کی ذات پر حملہ کرنے میں تہور دکھایا تھا انہیں بھی وہ عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ سموگڈھ کے میدان میں مہاراجہ جسونت سنگھ کے چچیرے بھائی راجہ روپ سنگھ راٹھور نے جب اورنگ زیب کے ہاتھی پر حملہ کرکے اس کے کجھار بند کو کاٹنے کے لئے کوشش کی تو اورنگ زیب اس کی یہ بے مثل بہادری دیکھ کر عش عش کرنے لگا اور چاہتا تھا کہ راجہ مذکور کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے لیکن اس کے منع کرتے کرتے لڑائی کے ہڑبونگ میں راجہ اورنگ زیب کے سپاہیوں کے ہاتھ سے وہیں مارا گیا۔

عبدالرزاق لاری ابوالحسن تاناشاہ کا ایک امیر جو بڑی جان نثاری سے لڑا تھا اور بہت زخمی ہو گیا تھا جب اپنے آقا کے ساتھ گرفتار ہوا تو بادشاہ نے ڈاکٹر اور حکیم اس کے علاج کے لئے مقرر کر دیئے۔ اس کی بہت قدردانی کی نازبرداریاں بھی کیں اور اپنی سرکار میں عہدہاے جلیلہ پر اسے اور اس کی اولاد کو ممتاز کیا۔

مردکار کی عزت اس کی نگاہوں میں یہانتک تھی کہ عیادت و تعزیت کے لئے اپنے امیروں کے مکان پر خود جاتا تھا۔

مدت مدید کے تجربہ۔ تیزی فہم اور اعلےٰ یادداشت کے سبب عالمگیر کو سلطنت کے لئے جزوی امور سے واقفیت کلی حاصل ہو گئی۔ اس کی سرکار میں ایک سپاہی بھی ایسا نہ تھا جسے بادشاہ نے ملاحظہ کیا ہو اور پھر اسے ذاتی واقفیت حاصل نہ ہو۔ وہ ایک ایک ضلع کے محاصل۔ اور رسم و رواج سے پورا واقف تھا۔ جزئی بات،

اسے سوجھتی جھٹ کتاب یادداشت میں درج کرلیتا۔ اسنے لوگوں کے ذریعہ محاصل کے متعلق کل امور کو منضبط کر کے خوب ذہن نشین کر لیا تھا۔ اور صوبہ دار۔ دیوان و کڑوڑی جب کبھی انہیں بادشاہ کے سوالات کا جواب دینا پڑ جاتا۔ غلط بیانی یا لاعلمی کے ظاہر ہونے سے ہراساں رہتے تھے۔ پہلے جرم کی سزا دوامی بربادی اور دوسرے کی سزا برخاستگی تھی۔

شکار میں بھی رعایا کی بہبودی دل سے نہ بھلاتا تھا۔ حیثیت اراضی ملاحظہ کرتا اور مرد و زن کاشتکاروں سے بذات خود پیداوار وغیرہ کے متعلق گفتگو کرتا تھا فن زراعت اور اس کے فواید سے عالمگیر بخوبی واقف تھا اور اس لئے ترقی زراعت میں اس کی کوششیں بہت مشکور ہوئیں۔ اس نے فرمان جاری کر دیا کہ جو زمیندار اپنی محنت و مشقت سے کاشت میں ترقی کریں ان سے لگان زیادہ نہ لیا جاوے فرمان میں لکھا تھا کہ ایسی حالت میں ایزادی لگان عمل جابرانہ اور خلاف مصلحت ملکی ہے۔ اس سے ترقی کا مادہ (اسپرٹ) رک جاتا ہے اور ملک کی دولت کم ہو جاتی ہے اور اورنگ زیب عوام کی مفلسی کے درمیان خود دولت جمع کر کے کیسے خوش ہو سکتا ہے۔

"نرخہاں لغایت سال حال (سلطانہ) در ہمہ بلاد مقرر بود بدلیل آنکہ تعین نرخ خلاف شرع ست و فروشندہ اختیار مال خود دارد بہر نرخے و قیمتے کہ خواہد بفروشد حکم شد کہ نرخ از ہمہ بلاد برطرف سازند" رواج قدیم کے مطابق امرا کی وفات پر ان کی کل جائداد ضبط سرکار ہو جاتی تھی۔ اورنگ زیب نے اس قاعدہ کو بھی منسوخ کر دیا۔

امور سلطنت کی پرداخت میں جو بدعتیں اکبر نے جاری کی تھیں اس نے یک قلم موقوف کر دیں۔ احکام دین کی پابندی کرانے میں سعی بلیغ کی۔ اور فاسقوں اور فاجروں کو حدود شرعیہ سے شہر بدر کر کے مسلمانوں کو جو ضعیف الاعتقاد ہو گئے تھے رہ اسلام پر لایا۔ جرائم شنیعہ کی سزا میں ہرگز نرمی نہیں کرتا تھا۔ او زانی

وزنانہ سے خصوصاً بدرشتی پیش آتا تھا۔ شراب وقماربازی سے مسلمانوں کو قطعی ممانعت کردی +

اگرچہ اورنگ زیب خود بدرجۂ اتقا مذہب کا پابند اور مسلمانوں میں ترویج احکام شرعیہ کا خواہاں تھا۔ غیر مذہب والوں کو اس کے عہد سلطنت میں مذہبی خیالات وافعال کے رو سے پوری آزادی حاصل تھی۔ عیسائی جو ان دنوں ہندوستان کے بعض اضلاع میں بکثرت چنانچہ بنگال میں ہی ۲۵۰۰۰ سے زیادہ آباد تھے اپنے مذہبی رسوم بے روک ادا کرتے تھے۔ بلکہ ان کے اپنے ملک میں بھی جہاں حکومت ان کی اپنی قوم کی اور عیسائی مذہب کی تھی اختلاف اعتقاد کی وجہ سے ایک فرقہ دوسرے فرقہ سے اس قدر امن وامان میں نہ تھا جیسے اورنگ زیب کے ماتحت عیسائی مسلمانوں سے تھے۔ جابجا یہاں تک کہ دارالخلافہ میں بھی۔ عیسائیوں کے معبد بنے ہوئے تھے۔ جہاں وہ بے خطر عبادت میں مشغول ہوتے اور اپنے خدا کو یاد کرتے تھے۔ عالمگیر کی انصاف پسند طبیعت نے ان پر اتنا جبر بھی گوارا نہ کیا کہ شراب خانہ خراب کے بیع وشرا اور استعمال سے عیسائیوں کو روک دیتا۔ مسلمانوں کو تو شراب سے ممانعت کلی کی لیکن عیسائیوں کو اپنے ہم مذہبوں کے پاس شراب بیچنے اور گھروں میں پینے کی اجازت دیدی +

اہل ہنود بھی بے کھٹکا تھے۔ ان کے مذہبی معاملات کا تو کیا ذکر ہے ان کے توہمات ووساوس تک میں بھی کچھ دخل نہیں دیا جاتا تھا۔ شاہزادہ محمد معظم کی ماں راجپوت قوم کی تھی۔ بادشاہ نے اس کے ہندو دھرم میں کسی قسم کی لغزش پیدا کرنے کی کبھی کوشش نہ کی۔ بلکہ اسے اپنے آباواجداد کے خیالات کی پیروی کرنے میں پوری آزادی حاصل تھی۔ اور وہ بھی اس آزادی سے فائدہ اٹھانے میں کسی قدم قاصر نہ ہوئی +

اورنگ زیب امور جنگی میں بھی ویسا ہی ماہر تھا جیسا تدبیر ملکی میں۔ اگرچہ ذاتی شجاعت میں وہ بے مثل تھا لیکن کسی کے مطیع کرنے میں وہ شمشیر کی نسبت تدبیر کو زیادہ

پسند کرتا تھا جنگ کے وقت اس کی طمانیت دل اس قدر ہوتی تھی کہ صبح ہو یا
شام جب نماز کا وقت آجاتا تا خواہ کس شدت سے لڑائی ہو رہی ہو وہ نماز ادا کرنے
سے باز نہ رہتا تھا۔ اس نے کبھی کوئی لڑائی بے استمداد ربانی شروع نہیں کی اور کوئی
کامیابی بے ادائے نفل و شکریہ سبحانی جانے نہیں دی۔

تحریریں اورنگ زیب نے اعلےٰ درجہ کی لیاقت بہم پہنچائی تھی۔ اکثر چٹھیاں
وہ اپنے ہاتھ سے لکھتا اور ہمیشہ اپنے سکرٹریاں کے مسودے درست کرتا تھا۔ کوئی چٹھی
امور سلطنت کے متعلق روانہ نہ کی جاتی تھی جب تک بادشاہ خود اسے بغور ملاحظہ
نہ کر لیتے تھے۔

یہ علم دوست شہنشاہ اکثر اپنے ملک کے علماء و فضلاء کے نام اپنے ہاتھ سے
خطوط لکھ کر انہیں اپنے دربار میں بلاتا اور حسب لیاقت انہیں اپنے ہاں عہدہ ہائے
جلیلہ پر ممتاز کرتا تھا۔

عالمگیر خود عربی و فارسی سے بخوبی ماہر تھا اور اپنے آباو اجداد مغلوں کی زبان
اور ہندوستان کی کل زبانیں لکھ سکتا تھا۔

خدا پرست بادشاہ نے تخت نشینی کے بعد کلام مجید حفظ کیا۔ خط نستعلیق
و شکستہ خوب لکھتا تھا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا اور فارسی نثر لکھنے میں اعلےٰ درجے
کا استاد تھا۔ اس کے رقعات حسنِ الفاظ اور خوش بیانی کے لئے مشہور رہیں۔
ذیل کے رقعات جو رقعات عالمگیری سے لئے گئے ہیں نمونہ کے طور پر درج کئے جاتے
ہیں۔ **فرمان**۔ سلام علیکم۔ وعلےٰ من لدیکم۔ پیری رسید و ضعف قوی شد۔
قوت از اعضا رفت۔ یگانہ آمدم و بیگانہ مے روم۔ خبر از خود ندارم کہ کیستم و چہ
کارہ ام۔ نفسیکہ بے ریاضت رفت۔ افسوس آں باقی ماند۔ ملکداری و رعیت
پروری ہیچ از من نیامد۔ عمر عزیز مفت رفت۔ خداوند در خانہ دارم و روشنائی
آں در چشم تاریک خود نمے بینم۔ حیات پایدار نیست و از نفس رفتہ نشانے پدیدار نے
و از استقبال توقع مفقود۔ تپ مفارقت کرد و جرم و پوست تنہا گذاشت۔ فرزند

کام بخش اگرچہ بیجاپور رفت امانزدیک ست و آن عالیجاہ ازاں ہم نزدیکتر۔ عزیزالقدر شاہ عالم از ہمہ دور تر۔ فرزندزادہ محمد عظیم بحکم اللہ العظیم نزدیک ہندوستان رسیدہ۔ لشکریاں ہمہ بیدست و پا و سراسیمہ ہمچو من کہ از خداوند خود تنہائی گزیدہ در حالت اضطراب ست و چوں سیماب بیقرار۔ نمے فہمند کہ صاحب نعمتے داریم۔ ہیچ باخود نیاوردم و ثمرۂ گناہاں ہمراہ مے برم۔ نمیدانم کہ درچہ عقوبت گرفتار خواہم شد ہرچند نظر بر الطاف و رحمت امید قوی ست امانظر بر اعمال و افعال تفکر نمے گذارد و چوں از خود گذشتم دیگرے کجا ماند ع

ہرچہ باداباد ما کشتی در آب انداختیم

صیانت بندگاں اگرچہ پروردگار خواہد کرد لیکن نظر بر عالم ظاہر بر فرزنداں ہم ضرورست کہ خلق اللہ و مسلمین ناحق کشتہ نشوند۔ فرزند بہادر را دعاے آخرین بگوئید وقت رخصت ندیدم اشتیاق باقی ماند۔ بیگم بظاہر اگرچہ ملول ست لیکن مالک دلہا خدا کوتہ اندیشی مونثات جز ناکامی ثمرہ ندارد۔ الوداع الوداع ٭

بنام سلطان محمد کام بخش

فرزند جگر بند من۔ در عالم اختیار ہرچند برضاے الٰہی نصیحت کردم و زیادہ از امکان وصایا نمودم چوں خواست الٰہی نبود بگوش رضا کسے نشنید۔ حالانکہ از ہمہ بیگانہ مے روم بر بے بضاعتی شما ترحم دارم اما چہ فائدہ۔ عذاب و گناہ ہرچہ کردم۔ ثمرۂ آں باخود مے برم۔ عجب قدرت ست کہ آمدم تنہا و مے روم باین قافلہ۔ تپ اگرچہ از دوازدہ روز مرافقت داشت لیکن تاب نیاوردہ گذاشت۔ ہرجا نظرمے کنم جز خدا بنظر نمے آید اندیشۂ لشکریان و لشکر نظر بر وبال آخرت موجب ملالت خاطر شد۔ از خود خبرم نیست۔ گناہ بسیار کردم نمیدانم بچہ عذاب گرفتار خواہم شد۔ حراست بندگاں اگرچہ رب العالمین خواہد کرد امابر مسلمانان و فرزنداں ہم اہم است حفظ و احتیاط بندہا بحسب ظاہر ضرور۔ عالیجاہ ہم نزدیک نیست آنچہ لازم بود در حق شما

گفته ام او هم بجان و دل قبول داشته - نشود که مسلمانان کشته نشوند و وبال بر گردن این ناکاره بماند شمارا و فرزندان شمارا بخدا مے سپارم و خود رخصت می خواہم - حالت اضطراب ست بہادر شاہ در جائیکہ بودہ است - و فرزند زادہ عظیم الشان نزدیک ہندوستان آمدہ و فرزند زادہ بہادر در نواحی گجرات - حیوۃ النسا بچیزے از روزگار ندیدہ ملول ست و حال بیگم واند - اودیپوری والدۂ شما در بیماری با من بودہ ارادۂ رفاقت دارد - خانہ زادان و مردمان ہمنود ہر چند گندم نماجو فروش اند باید برفق و مدارا و بے پروائی بکار گرفت و پا بر اندازہ روا دار از کشید - والسلام +

کن پرجوش اور محبت بھرے الفاظ میں عالمگیر نے اپنی رعایا کی بہبودی کے خیال کو ظاہر کیا ہے - دم نزع بھی حفظِ امن خلق اللہ اسکے مدنظر تھا - اور ایک سچے مسلمان کی طرح اعتراف بے بضاعتی و کلمات عجز و نیاز زبان پر جاری + مرتے دم تک دو وقت بلا ناغہ دیوان نمودہ متوجہ امورِ ملکی و مالی گردیدند آخر کار شاہ حق آگاہ روز جمعہ اٹھائیسویں ذی القعدہ ۱۱۱۸ھ ہجری کو ایک پہر دن چڑھے اس دار فنا سے رحلت کر گئے - عمر عالمگیر کی اکانویں سال اور ۱۲ دن ہوئی اور پچاس سال دو ماہ - ۲۷ یوم اس نے سلطنت کی - دولت آباد کے قریب حضرت شیخ برہان الدین اور شاہ زری زر بخش کے مزاروں کے درمیان اسے دفن کیا گیا - "وچند دیہ سیر حاصل از پرگنات نواح خجستہ بنیاد منجملہ دولت آباد جدا ساختہ پرگنہ خلد آباد موسوم نمودہ برائے خرچ مزار آرامگاہ مقرر نمودند" تاریخ وفات عالمگیر دخل الجنۃ ہے +

محمد سلطان - محمد معظم - محمد اعظم - محمد اکبر - اور محمد کام بخش عالمگیر کے لڑکے اور زیب النساء بیگم - زینت النساء بیگم - بدر النساء بیگم - زبدۃ النساء بیگم اور مہر النساء بیگم اس کی لڑکیاں تھیں +

کیرکٹر

تاریخ ہند میں اورنگ زیب کے ورق حکومت کی پہلی سطریں سرسری نظر سے دیکھنے والے کو خون کے حرفوں میں لکھی ہوئی دکھائی دینگی ۔ لیکن بے تعصبی کی آنکھیں ایک لحہ بھر کی توجہ سے معلوم کرلینگی کہ عالمگیر تخت و تاج کے حاصل کرنے میں جو وسایل و تدابیر عمل میں لایا وہ کسی طرح قابلِ اعتراض نہیں ۔ بلکہ ہم یہانتک بھی کہنے کو آمادہ ہیں کہ دنیا بھر کے کل شہنشاہوں میں سے جنہیں اس جیسے حالات درپیش آچکے تھے یا اس کے بعد اب تک آئے ہیں ۔ عالمگیر نے سب سے زیادہ نرمی اور بردباری سے کام لیا ۔

روزمرہ کا تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ قلیل التعداد رقموں ۔ نکمی باتوں اور ہیچ میرزا امیدوں پر نسل آدم ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہوجاتی ہے اور بھائی بھائی کا جانی دشمن بن جاتا ہے ۔ قابلِ غور امر ہے ۔ کہ بازی تو ہو سلطنت ہند اور حضرت انسان اپنی قسمت کا پلہ بھاری دیکھ رہے ہوں اور چپکے بیٹھے رہیں ۔ اورنگ زیب خوب جانتا تھا کہ اس کے حریفوں میں سے ایک بھی اس کے مدمقابل نہیں ۔ اس کے لئے قدرتی امر تھا کہ جب باقی سب بنرد آزمائی کے لئے میدان میں نکل آئے تھے وہ بھی اپنی قسمت آزمائی کرتا خصوصاً جب اسے تجربہ مدید سے پورا یقین ہوچکا تھا کہ دارا کا برسرکار ہونا اس کے لئے یقینی پیام ویرانی و موت ہے ۔

ہم نے پہلوں فصلوں میں دونو شاہزادوں کے باہمی تعلقات کو بخوبی واضح کردیا ہے ۔ دارا بموجب قول شاہجہان "بدان نیک و بہ نیکان بد" تھا ۔ اورنگ زیب کی اعلےٰ قابلیت نے دارا کے دل میں خار عداوت بو دیا تھا اور وہ ہر وقت عالمگیر کی بربادی کے درپے تھا ۔ شاہجہان کے بیمار ہونے پر جو تدابیر اس نے کیں ان کا بھی مفصل ذکر ہم کرچکے ہیں ۔ عالمگیر نظر بحالات مجبور تھا کہ فوراً سپہ کشی کرتے کیونکہ تاخیر کی صورت میں اس کی سلامتی جان مشکل تھی ۔ پھر بھی اس نے آگرہ کے قریب جاکر باپ اور وزیروں کو لکھا کہ اگر دارا اپنے صوبہ لاہور کو چلا جاوے تو فساد

کا خاتمہ ہے۔ دارا کو شکست دے کر بھی اس کے پیچھے کوئی فوج نہ بھیجی۔ لیکن جب دیکھا کہ وہ دہلی میں پہنچکر شورش کرتا ہے پھر اسکا تعاقب کیا۔ اور اس میں بھی عالمگیر کا منشاء سوائے اس بات کے اور کچھ نہ تھا کہ دارا کو ہند سے باہر نکال دیا جاوے تا کہ ملک میں امن و امان قائم رہے۔ چنانچہ جب دارا نے بھکر کا راستہ لیا تو شاہی فوجیں جو اسے ملک بدر کرنے کو مقرر تھیں اس کے ارادہ ایران کے خیال سے واپس بلالی گئیں۔ لیکن دارا ایران نہ گیا۔ سندھ گجرات سے ہوتا ہوا وسط ہند کی طرف پھر آیا۔ اور اجمیر کے پاس شکست کھائی۔ آخر کار جب دارا گرفتار ہوا تو اورنگ زیب نے اہل دربار سے مشورہ کیا کہ قلعۂ گوالیار میں بھیجنے سے پہلے دارا کو شہر دہلی میں تشہیر کرنا چاہیے یا نہیں۔ کثرت رائے نے دارا کے برخلاف فیصلہ دیا۔ اور قرار پایا کہ اسے ضرور تشہیر کرنا چاہیے "تا ہمگی خلایق آں رمیدہ بخت را بلاشایبۂ شک و ریب برائے العین مشاہدہ نمایند و من بعد اثر خیالات بیہودہ گو و واقعہ طلبان فتنہ جو را جائے سخنان لاطائل و مجال تصورات باطل نماند و در حدود و اطراف مملکت او بادشاہان را بہانہ فساد و دستاویز شورش بہم نرسد" یہ احتیاط لازم تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ شجاع کی موت کے حالات ٹھیک معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کئی مدعیان سلطنت پیدا ہو گئے تھے اور بارہا شور و فساد ہوئے۔ اورنگ زیب اور اس کے مشیروں کی پیش بینی نے اس تجویز تشہیر سے واقعہ طلب لوگوں کی فساد انگیزیوں کا ایک سلسلہ بالکل توڑ دیا۔ دارا کو بموجب حکم شاہی ہاتھی پر بٹھا کر دلی میں داخل کیا گیا۔ اور قلعہ کے پاس سے ہوتے ہوئے پرانے شہر میں لے گئے اور باغ خضر آباد میں قید کر دیا گیا۔ دارا کو قتل کرنے کا عالمگیر کا مطلق ارادہ نہ تھا لیکن چونکہ اس کی تشہیر کے وقت بعض فتنہ پردازوں نے دار الخلافہ میں فساد مچایا تھا اور اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ دارا اگر زندہ رہا تو شائد زیادہ فساد پھیلے۔ بادشاہ نے پھر ایک مجلس منعقد کی۔ اور اس امر میں مشورہ ہوا کہ پہلی تجویز کے موافق دارا کو گوالیار بھیجدینا مناسب ہوگا یا فوراً قتل کر ڈالنا بہتر ہے۔ بڑی بحث کے بعد کثرت رائے اسی پر آں کر ٹھیری کہ مقتضائے مصلحت وقت یہی ہے کہ دارا قتل کیا جاوے اور سپہر شکوہ

کوگوالیار میں بھیجدیا جاوے - دارا مروادیا جاوے ؟

باوجود ان تعلقات کے جو عالمگیر کو دارا سے تھے دارا کی اولاد سے کسی قسم کی بدسلوکی نہ کی گئی - البتہ اس کے بیٹے قلعہ گوالیار میں بند رہے - اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ کچھ مدت تک مصلحت ملکی کا تقاضا تھا کہ انہیں بند رکھا جائے لیکن انکو کسی طرح ضرر نہ پہنچایا گیا - بلکہ بادشاہ عفو کیش نے اپنی لڑکیوں کا عقد ان سے کردیا اگر اورنگ زیب ایسا بے رحم ہوتا جیسا اس کے دشمن بیان کرتے ہیں یا ایسا بھی ہوتا جیسے اس رتبہ کے انسان عموماً ہوتے ہیں تو بھتیجوں کے مرواڈالنے میں اسے کیا رکاوٹ ہوسکتی تھی ؟

دارا کے ساتھ عالمگیر کے خاص تعلقات تھے - مراد پر عالمگیر اول اول بہت سی عنایات کرتا رہا - لیکن جب اس نے دیکھا کہ مراد کی خام طبعی مراد کو سرکشی کی راہ دکھا رہی ہے - اور نقض عہد پر اس نے کمر باندھ لی ہے - مراد کو قید کرلیا - مراد کی اپنی بدشعاری نے اسے پابجولان کیا - کچھ دن تک مراد دہلی میں ہی رکھا گیا لیکن شجاع کی بغاوت کے بعد وہ بھی گوالیار بھیجدیا گیا - وہاں اس نے اپنے ہوا خواہوں کی مدد سے قلعہ سے بھاگ جانے کی کوشش کی - اس پر بادشاہ کو خیال ہوگیا اور ہونا چاہیے بھی تھا کہ مراد کا زندہ رہنا بھی خالی از خطر نہیں - اس واسطے اسے بھی قتل کروادیا گیا ؟

شجاع تو خیر ہند سے باہر نکالدیا گیا تھا اور پختہ نہیں کہ وہ کہاں مرا - شاہجہان کو اپنی چالاکیوں نے ہی بیٹے کے پھندے میں پھنسا دیا - عالمگیر کا مدعا آگرہ پر فوج کشی کرنے سے صرف دارا سے عنانِ حکومت چھین لینے کا تھا اور بس - دارا کی شکست کے بعد شاہجہان نامناسب چالیں چلا - اس نے عالمگیر کو شمشیر "عالمگیر" نام بھیجکر اسے بےخبری میں ڈالنے کی کوشش کی اور خود ادھر مہابت خاں گورنر کابل کو مدد دارا کے لئے خطوط لکھے اور شجاع اور دیگر امراء کو عالمگیر کے برخلاف اکسایا - اور ان سب پر طرہ یہ کہ محبت آمیز الفاظ میں خواہش ملاقات

عالمگیر ظاہر کر کے عالمگیر کو پا بجولاں کرنا چاہا۔ عالمگیر کو خبر ہو گئی۔ شاہجہان ناکامیاب رہا اور خود قید ہو گیا۔ اس قید کی حالت میں ہی شاہجہان مر گیا۔ لیکن عالمگیر اس کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کرتا رہا اور مہمات سلطنت میں باپ سے مشورہ لیتا اور اس پر عمل کرتا تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دارا۔ شجاع۔ اور مراد اور خود شاہجہان بھی عالمگیر کے مخالف ہوئے اور اس میں بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ لاکھوں سپاہی اور سینکڑوں امیر اس مخالفت میں ان ناموروں کے ساتھ شامل ہونگے۔ اور کوئی ہوتا تو بصورت کامیابی ایک ایک کو چن چن کے مرواتا۔ لیکن اورنگ زیب نے ان میں سے ایک شخص تک کو اپنی مخالفت کی وجہ سے سزا نہ دی۔ بلکہ کل امیر جو اس کے مقابلہ میں لڑ چکے تھے اور بعد میں آکر معذرت طلب ہوئے امان جان و مال پا کر انہی اعزاز و مناصب پر ممتاز ہوئے اور تاحیات خود رہے جن کی انہیں شاہجہان یا اس کے کسی جانشین کے عہد میں توقع ہو سکتی تھی۔ یہانتک کہ مہاراجہ جسونت سنگھ جیسے احسان فراموش کے ساتھ بھی اس نے وہ سلوک کیے کہ اور کسی سے ہونے مشکل ہیں۔

ان باتوں پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب معاملہ فہم اور نرم مزاج تھا۔ کسی سے سختی کرنا اس کی طبیعت میں نہ تھا اگر کبھی کسی سے اس نے سختی کی بھی ہے تو بحالت مجبوری۔ اور کوئی کیوں نہ ہوتا۔ ویسا ہی بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر کرتا۔

عالمگیر کے بدنام کرنے والوں نے اس پر ایک اور عجیب اتہام لگایا ہوا ہے ان کا بیان ہے کہ عالمگیر نے اپنے ممالک میں اپنے زمانہ کی تاریخ لکھنے کی کلی ممانعت کر دی تھی۔ اور اس بیان سے ان کا منشاء یہ معلوم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص بھی اس زمانے میں تاریخ ہند لکھنے کی اورنگ زیب کی حدود سلطنت میں کوشش کرتا تو بالضرور قابل تعزیر ہوتا۔ اور اس ممانعت کی من گھڑت وجوہات

ظاہر کرنے پر اورنگ زیب کی تاریخ لکھنے والوں نے اپنی اپنی عقل خرچ کر دی ہے۔ عام ممانعت تاریخ لکھنے کی اورنگ زیب کے زمانہ میں کبھی نہیں ہوئی اصل واقعات یہ ہیں۔

رواج قدیم کے مطابق ایک امیر سرکاری طور پر تاریخ لکھنے کی خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ اور یہ قدرتی امر ہے کہ اس تاریخ میں شاہِ حکمران کی اعلےٰ درجہ کی تعریف و توصیف درج کی جاتی تھی +

اورنگ زیب کے زمانہ میں بھی یہی دستور تھا۔ اور ایک شخص کاظم خاں نام اس خدمت پر مامور تھا۔ اورنگ زیب کی طبیعت خوشامد سے سخت متنفر تھی۔ اور وہ اس دنیا کے کارنامے کچھ باعثِ افتخار نہ سمجھتا تھا۔ بقول اس کے اپنے ایک مورخ کے "چوں تاسیس بناے باطن مقدم بر اظہار آثار ظاہر بود۔ کاظم خاں مصنف عالمگیر نامہ از تسوید ممنوع شد" +

اس عبارت سے اور دیگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نامہ۔ جہانگیر نامہ شاہجہان نامہ۔ اور عالمگیر نامہ کا سلسلہ بلا شبہ بند کر دیا گیا۔ یہ سلسلہ خاص مطلب کے لیے اور خاص طور پر تحریر میں آتا تھا۔ اس سلسلہ میں خوشامد کی بو آتی تھی۔ یہ کتابیں ایسے لوگوں کی لکھی ہوئی نہیں ہیں جو سرکاری دباؤ سے آزاد تھے۔ ان کے معتبر ہونے میں تو کلام نہیں۔ لیکن ان کے پڑھتے وقت اس امر کا خیال ضرور رکھنا ہوگا کہ جس شہنشاہ کے نام کی کتاب ہے اس میں اس شہنشاہ کے فضائل بیان کرنے میں خاص زور دیا گیا ہے۔ اور واقعات کو خوشامد کا رنگ دیا ہوا ہے +

سرکاری مورخ کو عالمگیر نامہ کی صورت میں تاریخ لکھنے کی ممانعت تو البتہ کی گئی۔ لیکن واقعہ نگاری کا سلسلہ کبھی بند نہیں کیا گیا۔ ہمارے پاس اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ عالمگیر کے زمانہ میں تادمِ اخیر عالمگیر سرکاری واقع نگار مقرر تھے اور سرکاری کاغذات میں واقعات درج کیے جاتے تھے۔ اپنے اس

بیان کی تائید میں ہم ناظرین کی توجہ مثال کے طور پر اس فقرہ کی طرف دلاتے ہیں جو ہمنے غازی الدین خاں جد امجد نظام حیدر آباد کی نسبت دکن کے فصل میں لکھا ہے
عام ممانعت تاریخ کی بحث میں دو امور خصوصًا نوٹس کے قابل ہیں۔
معترضین کا قول ہے کہ گیارہویں سال جلوس میں ہی ممانعت کی گئی تھی چنانچہ اس سال کے پیچھے کی کوئی تاریخ سلسلہ وار نہیں ملتی۔ یہ بات صریحًا غلط ہے۔ عالمگیر نامہ خود اورنگ زیب کے حکم سے تیئیسویں سال جلوس میں لکھا جا رہا تھا۔ اور ۱۶۸۸؁ عیسوی میں کاظم خاں اس کے لکھنے سے ممنوع ہوا تھا۔ اور اس وقت کاظم خاں نے ابھی دس سال کے واقعات ہی قلمبند کئے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ معترضین کا یہ قول کہ چونکہ عالمگیر نے دس سال کے بعد ایذا رسانی ہنود کا ارادہ کر لیا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے زمانہ ایذا رسانی کے حالات آیندہ نسلوں کو معلوم ہوں اس نے دس سال کے بعد ممانعت تاریخ لکھنے کی کر دی بہتان محض ہے۔ جز یہ جو معترضین کے نزدیک ہندوؤں کے دل دکھانے والی بات ہے تحریر عالمگیر نامہ سے دس برس پہلے لگایا جا چکا تھا۔
دوسرا امر جو قابل توجہ ہے پہلے سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔
معترضین اپنی تائید میں بیان کرتے ہیں کہ چونکہ خافی خاں نے اپنی تاریخ خفیہ طور پر لکھی تھی اسواسطے اس کا نام خافی خاں ہو گیا۔
تھوڑی سی بھی تحقیقات کرنے پر معلوم ہو جائیگا کہ اول تو خافی خاں نے تاریخ اورنگ زیب کے زمانہ میں لکھی ہی نہیں اور اس واسطے اسے خفیہ لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ دوئم خافی خاں کے معنے جو معترضین نے سمجھے ہیں وہ غلط ہیں۔
خافی خاں کی تاریخ جہاں تک ہمیں اس کی اپنی کتاب سے مدد مل سکتی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے مرنے کے بعد لکھی گئی تھی اور بالفرض

لب التواریخ مصنفہ بندرابن اور مستعد خاں کی تاریخ کے پیچھے تصنیف ہوئی۔ کیونکہ ان دونوں تاریخوں کا ذکر خافی خاں کی کتاب میں ہے۔ مستعد خاں کی تاریخ شاہ عالم کے حکم سے سنہ ۱۷۱۰ء عیسوی میں تحریر ہوئی تھی۔ اور عالمگیر ۱۷۰۷ء میں وفات پا چکا تھا۔ البتہ لب التواریخ جو دیوان دارا شکوہ کے بیٹے کی تصنیف ہے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۰۱ہجری میں شروع کی گئی تھی اور سنہ ۱۱۰۶ہجری کے پہلے بہر حال ختم ہو چکی تھی ٭

اسی امر میں بحث کرتے ہوئے ایک یورپین مورخ کہتا ہے کہ "خافی خاں کے نام سے لفظ "خفیہ" کی طرف جو لوگوں کی توجہ ہوئی ہے اس کی وجہ خافی خاں کی اپنی عبارت کی غلط فہمی ہے جہاں وہ بیان کرتا ہے کہ اس نے یہ سب کچھ صندوق میں بند رکھا ہوا تھا۔ لیکن یہ صندوق صندوقِ حافظہ تھا۔ وفات اورنگ زیب کے دو تین سال بعد تک تو خافی خاں کے لیے اپنی کتاب مخفی رکھنے کی کچھ وجہ ہو سکتی تھی۔ لیکن اس واقعہ کے تیس سال بعد تک اخفاے کتاب کی کوئی معقول اور صحیح وجہ نہیں ہو سکتی" اور خافی خاں کی کتاب اس مدت سے پہلے ظاہر نہیں ہوئی ٭

خافی خاں جس کا اصل نام محمد ہاشم تھا خواف علاقہ خراسان کا رہنے والا تھا۔ چنانچہ اس کا باپ خواجہ میر خوافی کے نام سے مشہور تھا اور خافی خاں بھی اسی وجہ سے اصل میں خوافی خاں ہے ٭

اس حکم کے سوا جو کاظم خاں کے نام ہوا اورنگ زیب نے اور کوئی حکم تاریخ کے بارہ میں نہیں دیا۔ اگر کوئی شخص ان دنوں میں اپنے طور پر تاریخ لکھتا تو عالمگیر سے اسی قسم کا خوف نہ تھا۔ چنانچہ لب التواریخ اس امر کی شاہد ہے ٭

اورنگ زیب کے عہد میں پوری ٹولریشن (مذہبی آزادی) تھی۔ اس کے ملک میں غیر قوم و غیر مذہب والے بلا روک ٹوک اپنی رسومات مذہبی ادا کرتے

تھے - ان کے دین و مذہب کے بدلنے پر انہیں کبھی مجبور نہیں کیا گیا - ان کے جان و مال محفوظ تھے - اور شریفانہ معاش کے وسائل انہیں ہر وقت حاصل تھے - اور یہی شرائط ہیں جو ایک غیر قوم او غیر مذہب کی سلطنت کو ہر دل عزیز بنانے کے لئے ضروری ہیں - ان سے بڑھکر مانگنے میں کوئی عیب تو نہیں لیکن اگر کچھ ملے نہیں - تو جائے شکایت بھی نہیں ؞

البتہ اس قدر تو ہم ضرور کہینگے کہ فرماں رواؤں کے کیسرکٹر کا اندازہ کرتے وقت ہمیں اس امر کا لحاظ کرنا پڑیگا کہ وہ لوگ بھی عموماً مذہبی اور قومی تعلقات کی زنجیروں سے بالکل آزاد نہیں ہوسکتے - ان کی نسبت صرف یہ دیکھنا ہے کہ وہ بدنیت ظالم - جابر اور دل آزار خلائق تو نہیں ہیں - لیکن چونکہ ایک ہندو راجا عموماً اہل ہنود کو اعلےٰ عہدوں پر سرفراز کرتا ہے - اپنے معبودین کی پرستش کا پابند ہے - اور مسلمانوں - عیسائیوں سے جیسا اہل ہنود پرہیز کرتے ہیں وہ بھی پرہیز کرتا ہے تو اسے ہم ظالم نہیں کہینگے - ایسا ہی ایک بادشاہ جو مسلمان ہے اگر وہ پابند صوم و صلوٰۃ ہے - اپنی سرکار میں عموماً مسلمانوں کو ملازم رکھتا ہے - تو یہ گمان کرلینا کہ وہ ظالم ہے - محض غلطی ہے - اور یہی حال ایک عیسائی گورنمنٹ کا ہے ؞

پھر اگر کوئی شخص فرمانروائے عہد کے سامنے گستاخیاں کرے - اس کا جاگیردار وظیفہ خوار ہوکر اس کے دشمنوں کو مدد دے - اس کے ملک میں فساد مچائے - علم بغاوت بلند کرکے امن خلق اللہ میں خلل انداز ہو تو اس کی بیخکنی کرنا ظلم و ستم میں داخل نہیں - ایک باغی سلطنت کا حاکم ملک سے غیر مذہب ہونا اس کے لیے وجہ رعایت نہیں ہوسکتا - اور اگر اس کی سرکوبی کی جادے تو ہم اور کل ہوشمند آدمی اسے ظلم و تعصب نہیں کہینگے - ایسا ہی اگر کوئی خاص جماعت بھی سر اٹھائے تو اس کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک ہونا چاہیے - اور

اس سلوک کی نسبت بھی وہی رائے ہوگی جو ہمنے اوپر ظاہر کی ہے +

البتہ اس موقع پر معترضین کہیں گے کہ ان گستاخیوں ۔ اس فساد و بغاوت کی وجہ اگر کوئی جابرانہ کارروائی حاکم کی ہو تو اس حالت میں ہماری رائے ٹھیک نہ ہوگی ۔ اس کے ہم بھی قائل ہیں اور اورنگ زیب کی نسبت تو بلاخوف تردید کہنے کو آمادہ ہیں ۔ اور ہمنے سلسلۂ واقعات سے ثابت بھی کر دیا ہے کہ اس نے کبھی کسی جابرانہ کارروائی سے کسی فرد بشر ۔ کسی فرقہ یا کسی جماعت کو برانگیختہ کرنے سے بغاوت کا موقع نہ دیا ۔ اس کے زمانہ میں دیگر سلاطین مغلیہ کے عہد سے کوئی زیادہ فسادات بھی نہیں ہوے ۔ اور ان فسادات کے اسباب پیدا کرنے میں اورنگ زیب کا خود اپنا کچھ بھی حصہ نہ تھا +

ہندوں سے عالمگیر کے برتاو کی شکایت کے سلسلہ میں ایک صاحب بہادر لکھتے ہیں کہ "عالمگیر نے کل ابواب جنکے وصول کرنے کی بادشاہ کو شرع محمدی نے صریح اجازت نہ دی ہوئی تھی لینے موقوف کر دیے اور کل ٹیکس جو ہندو میلوں پر خرید و فروخت اشیا سے وصول ہوتے تھے ۔ بدیں خیال معاف کر دیئے کہ ان کی اصلیت کو بت پرستی سے تعلق ہے ۔ یہ غیر منصفانہ رعایتیں صرف ساہوکاروں بڑے سوداگروں اور شہروں کے باشندوں کے حق میں مفید ہوئیں محصول اراضی بدستور قائم رہا اور محصول راہداری جو بدترین ابواب تھا بجاے کم کرنے کے بڑھا دیا گیا" +

صاحب بہادر کے بیان کے مطابق یہی تکالیف مذہبی تھیں جو عالمگیر نے ہندوں کو دیں اور اپنے بیان کی تائید میں صاحب بہادر خافی خاں ایک مسلمان مورخ کو پیش کرتے ہیں ۔ خافی خاں کو دیکھنے پر ہمیں ایک پیرے گراف نظر پڑا ہے جو غالباً اور ہم کہسکتے ہیں کہ یقیناً صاحب بہادر کے بیان مندرجہ بالا کا منبع اقتباس ہے ۔ ہم اس پیرے گراف کو ناظرین کی خاطر لفظ بلفظ ذیل میں نقل کرتے ہیں +

چوں بسبب اختلال احوال ملک (خانہ جنگیوں کی طرف اشارہ ہے) و عبور لشکر و افواج دریا موج ہر طرفے خصوص بلاد شرقی و شمال تا دو سال لشکر کشی بمیان آمد کہ بعض حالمی باراں نیز علاوہ آں گردید۔ غلہ رو بگرانی آورد۔ نظر بر تباہیت حال خلق اللہ و ترحم بحال رعایائے شکستہ احوال حکم معافی راہداری کہ بر سر ہر گذر و سر حد و معبر آبہا مے گرفتند و مبلغ خطیر حاصل آں واصل خزانہ مے گردید و پاندری کہ در ہر ماہ و سال بصیغہ کرایہ زمین و مکانے کہ ہمہ اصناف گراں و کاسبان ممالک محروسہ از قصاب و کلال و سبزی فروش گرفتہ تا بزاز و جوہری و صراف کہ بر ہر گل زمین بازار و سر رستہ نشستہ دکان ساختہ خرید و فروخت مے نمودند در سرکار بدستور معمول چیزے مے دادند و زر کل زیادہ از لکہا عاید بیت خراج مے گردید۔ و ابواب مشروع و نامشروع دیگر مثل سر شماری و برشماری و برگدی و چرائی بنجارہ و طوعانہ و حاصل ایام بازار عرس و جاترہ کفار کہ در معبد خانہا ہنود در گنگا نٹ دور و نزدیک ہر سال یک بار چندیں لک آدم فراہم آمدہ خرید و فروخت اجناس مے نمودند و زر مسکرات و قمار خانہ و خرابات خانہ و جرمانہ و شکرانہ و چہارم حصہ وجہ ادائے قرض کہ بہ اعانت حکام وصول قرض خواہاں مے شد وغیرہ قریب ہشتاد بابت کہ از ہمہ ابواب زیادہ از کرورہا داخل خزانہ سرکار مے گردید از قلم رو ہندوستان معاف فرمودند۔ و سوائے آں عشور جنس غلہ کہ بست و پنج لک روپیہ از روئے دفتر دیوانی محصول شرعی آں بعرض رسید برائے تخفیف گرانی غلہ معاف نمودند۔“

اس کے آگے خافی خاں چند سطوریں عمال کی بدعملیوں کی شکایت کرکے جو بسبب طوالت چھوڑ دی گئی ہیں لکھتا ہے کہ اگرچہ بادشاہ کی طرف سے تہدید آمیز حکم ابواب مذکورہ بالا کی معافی کے بارہ میں صادر ہوا اور اس کی تعمیل نہ کرنے والے عزل و کمی منصب اور عتاب شاہی کے سزاوار بھی ہوئے لیکن بند و بست معافی بیشتر ابواب بظہور نرسید۔ خصوص زر راہداری کہ نزد خدا

ترسان حق آگاہ بدترین ممنوع و مادۂ فساد و مسافر آزاری ست و مبلغ کلی محصول آں مے شود در اکثر ممالک محروسہ قلمرو ہندوستان از بیہ یاریاں و مسافراں بے بضاعت و رہ نوردان محتاج فوج داراں و جاگیرداراں زیادہ از سابق بظلم و سختی مے گرفتند"

خافی خاں کی یہ عبارت پڑھتے ہی اہل بینش جو زبان فارسی سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ ہمارے صاحب بہادر کے بیان کے وقعت کی نسبت فوراً رائے قائم کر چکے ہونگے۔

جزیہ کے مسئلہ پر بھی بہت زور دیا گیا ہے اور جوش ظاہر کیا گیا ہے۔ اگر معترضین تعصب چھوڑ کر عقل سلیم سے کام لیں تو اورنگ زیب کا یہ کام جس کے لئے وہ اُسے گالیاں دیتے ہیں۔ کچھ بھی برا معلوم نہ دیگا۔ جزیہ جو اس زمانہ میں لگایا گیا مذہبی تعصب کو اس سے ہرگز کچھ تعلق نہ تھا۔ اور حقیقت میں جزیہ کا موجد اسلام مطلقاً نہیں۔ اس موقع پر ہم مولانا شبلی کے بے بہا رسالہ الجزیہ سے نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

"ہم کو اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جزیہ اصل فارسی کا لفظ ہے۔ تصریحات لغت کے علاوہ تاریخی قرینہ نہایت قوی موجود ہے۔ یہ مسلم ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں جزیہ کا لفظ مستعمل ہو چکا تھا۔ یہ بھی مسلم کہ فارسی میں گزیت کا لفظ اسی معنی میں قدیم سے شایع ہے۔ تاریخی شہادتوں سے بھی یہی ثابت ہے کہ نوشیرواں (عادل) نے جزیہ کے قواعد مقرر کیے تھے۔ اور اس وقت نوشیرواں کے عمال یمن اور مضافات یمن پر منصوب تھے۔ اس طرح گزیت کا لفظ قانونی طور پر عرب میں پھیلا اور معرب ہو کر جزیہ ہو گیا"

اس امر کے ظاہر کرنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ جزیہ لگانے میں تفریق مذہبی ہرگز مدعا نہ تھا۔ فے الحقیقت جزیہ کے لیے مذہب نہیں دیکھا جاتا

تھا بلکہ کچھ اور ہے اور وہ امر جس کے لحاظ سے ذمی جزیہ سے معاف ہوتی تھی مولٰنا شبلی
کی عبارت میں حسب ذیل ہے:
"اسلام نے جو انتظام قائم کیا اس کے رو سے ہر مسلمان فوجی خدمت
کے لیے مجبور کیا جا سکتا تھا۔ یہ قاعدہ کچھ آسان نہ تھا اور لوگ اگر ذرا بھی اس سے
بچنے کا حیلہ پا جاتے تھے تو اس سے فایدہ نہ اٹھانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک بار
جب جزیرہ سسلی میں مکتب کے معلم اس جبر سے بری کر دیئے گئے تو سینکڑوں
آدمیوں نے اور کام چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کر لیا"۔
"اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ
سے اسی طرح بری رہیں جس طرح نوشیروان عادل نے عموماً اہل فوج کو اس ٹکس
سے بری رکھا تھا۔ لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے
اور جن کی حفاظت مسلمانوں کو کرنی پڑتی تھی۔ ان کو فوجی خدمت پر مجبور کرنیکا
اسلام کوئی حق نہ تھا۔ نہ وہ لوگ ایسی پرخطر خدمت کے لیے راضی ہو سکتے
تھے۔ اس لیے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کے لیے کوئی ٹیکس ادا کریں۔
اسی ٹیکس کا نام جزیہ تھا۔ لیکن اگر کسی موقع پر غیر قوموں نے فوج میں
شریک ہونا یا شرکت کے لیے آمادہ ہونا گوارا کیا تو وہ جزیہ سے بری
کر دیئے گئے"۔
عبارت مرقومہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ جزیہ "معاوضہ حفاظت" تھا نہ
جرمانہ مذہبی۔
جزیہ کے مصارف یہ تھے۔ لشکر کی آراستگی۔ سرحد کی حفاظت۔ قلعوں
کی تعمیر۔ ان سے بچا تو سڑکوں اور پلوں کی طیاری۔ سررشتہ تعلیم۔ بے شبہ
اس طرح اس خاص رقم سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا۔ اور پہنچنا چاہیے تھا
مسلمان لڑائیوں میں شریک ہوتے۔ جانیں لڑاتے۔ ملک کو تمام خطروں
سے بچاتے۔ پس جس طرح ان کے جسم و جان سے ذمی رعایا مستفید ہوتی تھی

اگر ذمیوں کے مال سے مسلمانوں کو بھی فایدہ پہنچتا تھا تو کیا بے جا تھا۔ اس کے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کی جاتی اُس میں ذمی رعایا برابر کی شریک تھی"۔

جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ سالانہ تھی۔ کسی کے پاس لاکھوں روپے ہوں تو اس سے زیادہ دینا نہیں پڑتا تھا۔ عام شرح چھ روپیہ اور تین روپیہ سالانہ تھی۔ بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے۔ اور عورتیں۔ مفلوج۔ معطل العضو۔ نابینا۔ مجنون۔ مفلس یعنی جن کے پاس دوسو درہم سے کم ہو۔ یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے۔

اورنگ زیب کے عہد میں خانہ جنگیوں کے سبب مالی معاملات پیچیدہ ہو گئے تھے۔ لڑائی سے ملک میں ویرانی ہو گئی تھی اور ویرانی کی وجہ سے رحمدل بادشاہ نے صدہا محاصل وصول کرنے بند کر دیئے تھے۔ بیس سال تک تو جس طرح ہو سکا عالمگیر نے کام چلایا۔ شہزادوں کے جاگیروں میں کمی کر دی شہزادیوں کے وظائف گھٹا دیئے۔ غرضیکہ اخراجات شاہی میں جہاں تک ہو سکا تخفیف کی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس مدت کے بعد کام چلانا مشکل ہو گیا۔ عالمگیر نے ہندو مسلمان رعایا پر ٹیکس لگا دیا۔ یعنی مسلمانوں سے زکوۃ اور ہندوؤں سے جزیہ وصول کرنے کا بادشاہ نے حکم دے دیا۔ پہلے نہ جزیہ لیا جاتا تھا نہ زکوۃ سلطنت وصول کرتی تھی۔ مالی پیچیدگیوں نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ رعایا پر ٹیکس کا بوجھ ڈالے۔ اور اس بوجھ کے اٹھانے میں ہندو و مسلمان دونو شریک تھے۔ بلکہ ہندوؤں کے سر پر جو بوجھ تھا وہ مسلمانوں کی نسبت بہت ہلکا تھا۔

ہمنے اپنی کتاب کے پڑھنے والوں کو عالمگیر کے مہربانوں کی منصفانہ رائوں کا نمونہ دکھایا ہے۔ اسی قسم کے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بے معنی اعتراضات اورنگ زیب کے کیرکٹر پر کئے گئے ہیں۔ لیکن ان سب اعتراضات

کی وقعت معترضین کے آخری فقرات سے جو ان کے ضمیر نے بصد مشکل ان کے قلم سے نکلوائے ہیں خاک بھی نہیں رہتی۔ معترضین کو ماننا پڑتا ہے کہ ان کے پاس ایک بھی ایسی مثال نہیں جس سے عالمگیر کا ہندؤں کو مقہور کرنا اور ان سے ظلم و بیرحمی سے اسکا پیش آنا ثابت ہو۔ ایک ہندو بھی سبب کی طفیل قتل کا تو کیا ذکر ہے۔ قید تک نہیں ہوا اور نہ ہی کسی قسم کا مالی نقصان اس وجہ سے کسی کو پہنچا۔ یہ باتیں تو بڑی ہیں۔ کبھی کسی کو اپنے آباو اجداد کے معبودین کی کھلم کھلا پرستش سے بھی تو نہیں روکا گیا۔ شکایت ہے تو صرف اتنی ہے کہ ان کی دل جوئی میں کوتاہی کی گئی۔ یا یوں کہو کہ اکبر نے جو دل جوئی کی تھی وہ عالمگیر سے نہیں ہوئی +

اس اعتراض پر بحث کرتے وقت ہمیں اس امر کا لحاظ بھی رکھنا ہوگا کہ اکبر کی عنایات کا اکثر حصہ اور کل بھی کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ راجپوتوں کے نصیب میں آیا تھا +

دل جوئی جس میں عالمگیر قاصر رہا اور جس نے اکبر کا نام راجپوتوں میں ہر دل عزیز کر دیا تھا۔ دو طرح سے عمل میں آئی۔ دل جوئی کے لئے ایک تو اکبر نے خود ڈاڑہی منڈائی۔ درباریوں کی منڈوائی۔ ٹیکا لگوایا۔ سجدہ کرایا۔ ہندؤں کی اور بے شمار رسمیں اختیار کیں اور اس نسخہ کو سریع التاثیر اور حکمی بنانے کی غرض سے مسلمانوں کو حتے الوسع ذلیل و خوار کیا۔ دوسرے راجپوتوں کو جن کے گانٹھنے کے لیے اکبر یہ سارے جنتر منتر پڑہتا تھا اس نے اعلےٰ عہدوں پر ممتاز کر کے سلطنت مغلیہ میں ان کا پولٹیکل اقتدار بڑہایا +

اکبر کا مدعا ان ساری کارروائیوں سے جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اپنے لئے اور غالباً اپنے اولاد کے لئے بھی ایک مستحکم سلطنت ہند میں قائم کرنے کا تھا۔ اس کے وقت میں حالات نازک تھے۔ اس نے اپنے زعم میں بچاؤ کی اچھی صورت نکالی تھی۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے منظور نظر

اس کی اولاد کے لیے مار آستین ثابت ہونگے - غیر قوم کا جواخواہ کتنا ہی
ہلکا ہو۔ برداشت میں گراں ہوتا ہے - راجپوتوں نے تھوڑے ہی دنوں میں
تدبیر اکبری کی غلطی ظاہر کر دی - اورنگ زیب کے زمانہ تک یہ غلطی اور بھی
نمایاں ہوگئی تھی - چنانچہ اس کے زمانہ میں مہاراجہ جسونت سنگھ اور اُسکے
ہمراہیوں کی چالیں اورنگ زیب جیسے دوراندیش بادشاہ کے لیے کافی
دلیل اس غلط پالیسی کے بدلنے کے لئے موجود تھی - لیکن اورنگ زیب نے
حزم و احتیاط سے نہ دیا - اس کی دوربین نظر نے راجپوتوں کی گستاخیوں
کی اس گھٹا کو عالم شہزادگی میں ہی بخوبی دیکھ لیا تھا - اور وقت پر وہ بساز
و سامان کافی اس کے لئے تیار تھا - اس نے تخت نشین ہوتے ہی اکبر کی
پالیسی کے پہلے حصہ کو ملیامیٹ کر دیا - مسلمانوں کی اس قدر تذلیل و تحقیر
اور ایسے کمینے ذریعوں سے راجپوتوں کی دل جوئی اسے منظور نہ تھی - وہ جانتا
تھا کہ کسی قوم کے قیام حکومت کے لیے اسی قوم کے لوگ اصل اراکین
سلطنت ہوتے ہیں - اور غیر قوم کے لوگ صرف معاونین کا درجہ رکھتے ہیں
وہ راجپوتوں کو حکومت میں حصہ دینے کے مخالف نہ تھا - لیکن اپنی قوم کو نقصان
پہنچا کر دوسری قوم کی عزت افزائی کرنا اس کے پولیٹیکل اصولوں میں نہ تھا -
اور کسی دوراندیش بادشاہ کے اصولوں میں کبھی نہیں ہوا - اور نہ
ہوگا - اکبر کی پالیسی کے دوسرے حصہ میں عالمگیر نے بہت کم دخل دیا
معاملات ملازمت میں اس کے ہاں مذہب کا کچھ اثر نہ تھا - راجپوت
اور مسلمان بلا امتیاز قوم و ملت اس کی فوجوں میں بھرتی ہوتے تھے -
راجپوتوں کو اس نے سپہ سالاری - گورنری صوبجات - اور دیگر اعلٰے مناصب
سلطنت عطا کئے - راجہ جے سنگھ اس کے اکثر مہمات سلطنت میں سپہ
سالار - راجہ جسونت سنگھ باوجود اس کے قابل سرزنش اطوار کے گورنر -
راے رایاں وزیر اعظم - عالمگیر کے زمانہ میں ہی تھے - ماسوا ان لوگوں کے

دیگر ہنود امرا جو ان کے عہد ہائے جلیلہ پر ممتاز تھے بلحاظ تعداد بھی گذشتہ بادشاہوں کے زمانہ سے کم نہ تھی۔ راجپوت عالمگیر کے مرتے دم تک اس کی فوجوں میں مرہٹوں اور دکنیوں کے مقابلہ میں لڑتے اور بڑی بڑی جاں نثاریاں دکھاتے رہتے۔ راجپوتوں سے اس نے رشتہ داریاں بھی کیں۔

اکبر کی اور عالمگیر کی پالیسی میں کچھ فرق تھا۔ تو صرف اتنا ہی کہ عالمگیر نے مسلمانوں کے دل جو اکبر کے دین الٰہی پالیسی نے توڑ دیئے تھے مسلمانوں میں ترویج اسلام سے بڑھائے اور راجپوتوں کو حد اعتدال سے بڑھنے نہ دیا۔

جب اورنگ زیب تخت پر بیٹھا۔ اسے عجیب مشکلات کا سامنا تھا۔ اس کے پیشرو کی غلطیوں نے بے حد نقائص انتظام سلطنت میں پیدا کر دیئے تھے۔ اکبر نے خود اپنی نیک چلنی کرنے والی پالیسی سے راجپوتوں کو سلطنت میں حد سے زیادہ حصہ دے کر اور مسلمانوں کو بے حد ذلیل کر کے ہند میں مغلیہ حکومت کے بازوؤں کو (ڈھیلی) ضعیف کر دیا تھا۔ راجپوت دلیر و گستاخ ہو گئے۔ اور سلطنت کے کاموں میں بیجا مداخلت کرتے تھے۔ مسلمانوں کے دلوں میں اکبر کے سلوک سے حکمران خاندان کے ساتھ پہلی الفت نہ رہی تھی بلکہ نفرت ہو گئی تھی۔ اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ رنگیلے جہانگیر اور عشرت پسند شاہجہان کے زمانہ کے عیش و آرام نے بلخ و بدخشاں۔ افغانستان و ترکستان۔ اور ایران کی جنگی قوموں کو بالکل بودا بنا دیا تھا۔ ایک طرف یعنی مسلمانوں میں عیش سے سستی۔ دوسری طرف یعنی راجپوتوں میں مروت اور رعایت سے بغاوت کے سامان پیدا ہو گئے۔

"جب بابر نے ہند میں یورش کر کے سلسلہ سلاطین مغلیہ قائم کیا

اس کے ہمراہ سرخ رنگ۔ جفاکش مغل سپاہیانہ لباس میں دن رات گذارنے والے بہادر آئے تھے۔ امراء جن کے درمیان اورنگ زیب نے پرورش پائی زرد روے۔ نازک بدن اور نازک طبع تھے۔ بابر اپنی کل لڑائیوں میں جو وہ تیس سال برابر لڑتا رہا۔ جہاں کہیں دریا کے سامنے آگیا۔ اس کے سپاہیوں کا تو کیا ذکر ہے۔ خود تیر کر دریا عبور کرتا تھا۔ عالمگیر کے زمانۂ شباب میں مغلیہ دربار کے اراکین سلطنت کو نزاکت طبع کی وجہ سے باریک ململ کے کپڑے پہننا بھی وبال جان تھا۔ اور اپنے پاؤں چلنا دشوار۔ اور میدان جنگ میں وہ پالکی میں سوار ہو کر جاتے تھے۔ "عزم گردی" اور مغلی جلاوت زمانۂ گذشتہ کی داستان۔ اور ہاشمی آداب و عباسی فضائل کتابوں میں کہانیوں کی شکل میں ہی رہ گئے تھے۔ ہندوستان کی آب و ہوا اور تعلقات نے ان کے پہاڑی وطن کی تیز مزاجی کو نرم کر کے بیمارسی طبیعت میں بدل دیا۔ اور جو پہلے آگ تھے وہ ہند میں آکر خاک ہو گئے۔ اللہ اکبر کا قدیمی اسلامی نعرۂ جنگ جو ہر ایک مسلمان کے دل میں جوش پیدا کرنے کی برقی طاقت رکھتا تھا۔ ایک بے تاثیر آواز بے اصل نشانی اس مذہب کی رہ گئی جس کا نقش اکبر کی غلط تدابیر نے لوگوں کے دلوں میں محو کرنے کی کوشش کی تھی۔ دین الٰہی کے اصولوں اور اکبر خلیفۃ اللہ کی ہدایتوں نے بعوض نعمت اسلام سستی عقائد کی مذہب سے بے اعتنائی۔ عورتوں کے توہمات۔ اور بچوں کے باطل خیالات کی زہر آلود شیرینی لوگوں میں تقسیم کر کے ان کی روحانی زندگی کو نقصان اور اس سے ان کی جسمانی طاقتوں میں ضعف پیدا کر دیا۔ اور جب اکبر نے اسلام کے سخت گیر اور زبردست ہاتھ کو سیاست سلطنت میں دخل دینے سے روک دیا تو بد اخلاقی اور عیاشی سوسائٹی میں فوراً گھس آئیں۔ اور ان کے قدم بقدم ضعف۔ لیکن فارغ تشریف لے آئے

مردانگی اور بہادری کی جگہ پست ہمتی اور بزدلی اور روشن دماغی کے بجاے کم عقلی کا دور دورہ ہو گیا۔

مغلوں کی روز افزوں عیاشی اور بوداپن کو دور کرنا۔ رجپوتوں کی دن بدن بڑہنے والی خودسری فرو کرنا۔ صوبجات کے حاکموں کو سرکش ہو جانے اور خود مختار سلطنتیں قائم کر لینے سے روکنا۔ ایک زائل ہونے والے جسم میں جان ڈالنا۔ اور روح بے اعتنائی میں مذہب پھونک کر پراگندہ ہونے والے اجزاے حکومت کو بہم چسپاں رکھنا۔ وہ اہم امور تھے جو اورنگ زیب کے عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے وقت درپیش اور غور طلب تھے۔

صریح الفاظ میں یا تو حقیقی اراکین سلطنت یعنی مسلمانوں کو جو اکبر کی پالیسی سے بہت ناراض ہو کر دل کشیدہ ہو رہے تھے الگ ہو جانے دینا اور دفع الوقتی کے پیدا کئے ہوے اراکین یعنی راجپوتوں کے بیجا حوصلے بڑہا کر سلطنت اسلامی کی بیخ کا موجب ہونا۔ یا مسلمانوں کو قہر اکبری سے محفوظ کر کے اسلامی جھنڈا ہندوستان میں قائم رکھنا۔ یہ سوالات تھے جو شاہجہان کی شان دار لیکن گھن کھائی ہوئی سلطنت کے جانشین کو جو کوئی ہوتا حل کرنے تھے۔

اورنگ زیب متقی۔ معاملہ فہم۔ اور تدبیر ملکی میں بہت ہشیار۔ اور بقول برنیر صاحب خاندان تیموریہ میں سب سے زیادہ دانا پادشاہ تھا۔ اس کی خداترس طبیعت اور حسن لیاقت نے اسے اس مردہ جسم سلطنت میں جان ڈالنے کے خوب قابل بنایا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے ہر ایک قوم ہر ایک ملت کی دل جوئی شروع کی۔ وہ جانتا تھا کہ حکمرانوں کی پالیسی نے راجپوتوں کو سلطنت کے کاموں میں حد اعتدال سے بڑھ کر دخل دے دیا ہے۔ اور نیز وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ دخل

ایک نہ ایک دن رنگ لاوے گا۔ لیکن جو کچھ ہو چکا تھا وہ ہو چکا تھا۔ جو کچھ راجپوت حاصل کر چکے تھے۔ وہ ان کے باپ دادا کا حق سمجھا گیا۔ اور جہاں تک انھیں پہلے شاہنشاہوں کے عہد میں رسوخ حاصل تھا اس میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کی گئی۔

لیکن عالمگیر کے جد اکبر جسے وہ اکثر جد اکفر کے نام سے یاد کیا کرتا تھا وہ بیج بو گئے تھے کہ اس کا زہریلا پھل ہندوستان کی عظیم الشان سلطنت کو شنں کرنے والا نظر آیا۔ راجپوت ہر روز نیا فتنہ اٹھاتے تھے مگر اورنگ زیب کی بیدار مغزی اُٹھتے فتنہ کو ہی پامال کر دیتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ راجپوتوں کی بیجا مدارات کی بُرائی مسلمانوں کی دل شکنی اور کمزوری سے دوبالا ہو گئی ہے۔ اور سرکشوں کی سرکوبی کے لیے مسلمان بھی لڑنے مرنے کو تیار نہیں۔ اور اگر تیار بھی ہوں تو قابل نہیں۔ مسلمانوں کا مارشل سپرٹ جو زائل ہو رہا تھا۔ اسے بحال کرنے کی غرض سے عالمگیر نے اپنے عہدِ سلطنت کا نصف حصہ لڑائی میں صرف کر دیا اور ایک طرف تو مسلمانوں کو محبت سے۔ دل جوئی سے ترویج اسلام سے اور مشق سپہ گری سے ان کے کم کردہ صفات پھر حاصل کرنے کی اس نے ترغیب دی۔ اور دوسری طرف اس نے راجپوتوں کی خودسری کو اغماض سے۔ عفو سے۔ بذل عنایات سے۔ اور بے شک دست آہنین سے بھی بڑھنے نہ دیا۔

لیکن سنگ گذرے مسلمانوں کو سنبھالنا اور راجپوتوں کی روز بروز بڑھنے والی بیجا امیدوں اور حوصلوں کو روکنا سہل کام نہ تھا۔ ایک شخص کی عمر تین عمروں کے بگڑے ہوئے کام کے سنوارنے کے لیے کس طرح کافی ہو سکتی تھی۔ اورنگ زیب نے اپنی ساری عمر۔ اور عمر بھی نوے سال تلافی مافات اور حفظ ما ات میں گذاری۔ عالمگیر اپنی رائے صائب کی طفیل اپنے ارادوں میں بہت کچھ کامیاب ہوا۔ لیکن کام اہم اور زیادہ تھا۔

جو لائق جانشین پورا کر سکتے تھے۔ اورنگ زیب کے جانشین ان اعلےٰ صفات سے محروم تھے جو خدا تعالےٰ نے اسے عطا کی تھیں۔ وہ کچھ نہ کر سکے۔ بلکہ ان کی ناقابلیت نے پہلے جو کچھ بن چکا تھا بجائے سنوار نے کے اسے بھی بگاڑ دیا۔

تمام شد